شازیہ چوہدری

ناولٹ

آفیسرز کالونی میں دھیرے دھیرے شام اتر رہی تھی۔

کچھ گہرے بادلوں، سرمئی پہاڑوں کی ملگجی چوٹیوں اور سرسبز و شاداب وادی کے گھنے درختوں نے شام کے اس رنگ کو مزید گہرا کر دیا تھا۔

شہ لالہ اپنے گھر کے گیٹ پر کھڑی تھی۔ گیٹ کے سامنے گھر کے متوازی رخ پر سیاہ کولتار کی سڑک تھی جس کے دونوں اطراف سفیدے اور پاپلر کے درخت ایک ترتیب سے لگے ہوئے تھے۔ یہ سڑک ٹریفک کے لیے بہت کم استعمال کی جاتی تھی اس لیے کالونی کے بچے بے فکری سے یہاں کرکٹ، فٹ بال اور دیگر پسندیدہ کھیل کھیلتے تھے۔ بوڑھے اور خواتین اکثر ٹولیوں کی صورت میں چہل قدمی کرتے نظر آتے تھے۔ مغرب کے بعد جب مائیں بچوں کو گھروں میں بلاتی تھیں، تب کہیں یہاں سناٹا دیکھنے میں آتا تھا اور اس وقت یہی سماں تھا۔ مغرب ہو چکی تھی سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔

شہ لالہ سخت اکتاہٹ کے عالم میں گیٹ سے کچھ فاصلے پر لگے سفیدے کے درخت سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ چہرے پر بیزاری اور جھنجھلاہٹ کے تاثرات نمایاں تھے۔

"پتا نہیں اپیا اور بے جی کب لوٹیں گی اسپتال سے؟"

اس نے کوفت سے سر جھٹکتے ہوئے سوچا۔

"ویسے تو ڈیڈی کے آنے کا وقت بھی ہو چلا ہے۔ ہو سکتا ہے کچھ دیر میں آجائیں۔ مجھے گیٹ سے باہر کھڑا دیکھ کر یقیناً خفا بھی ہوں گے۔ مگر میں کیا کروں اندر میرا دم گھٹنے لگا تھا۔ یا اللہ کس درجہ بوریت ہے اس کالونی میں۔ نہ کوئی ہلچل نہ ہنگامہ۔ افوہ۔" وہ دل ہی دل میں جز بز ہو رہی تھی۔

"شجی بھیا کو بھی نہیں بتایا کہ میں باہر ہوں۔ اندر گھر میں ڈھونڈ رہے ہوں گے مجھے مگر نہیں یقیناً" اپنے محبوب ٹی وی کے آگے جمے بیٹھے ہوں گے۔ ٹی وی کے آگے تو ساری دنیا بھول جاتے ہیں۔"

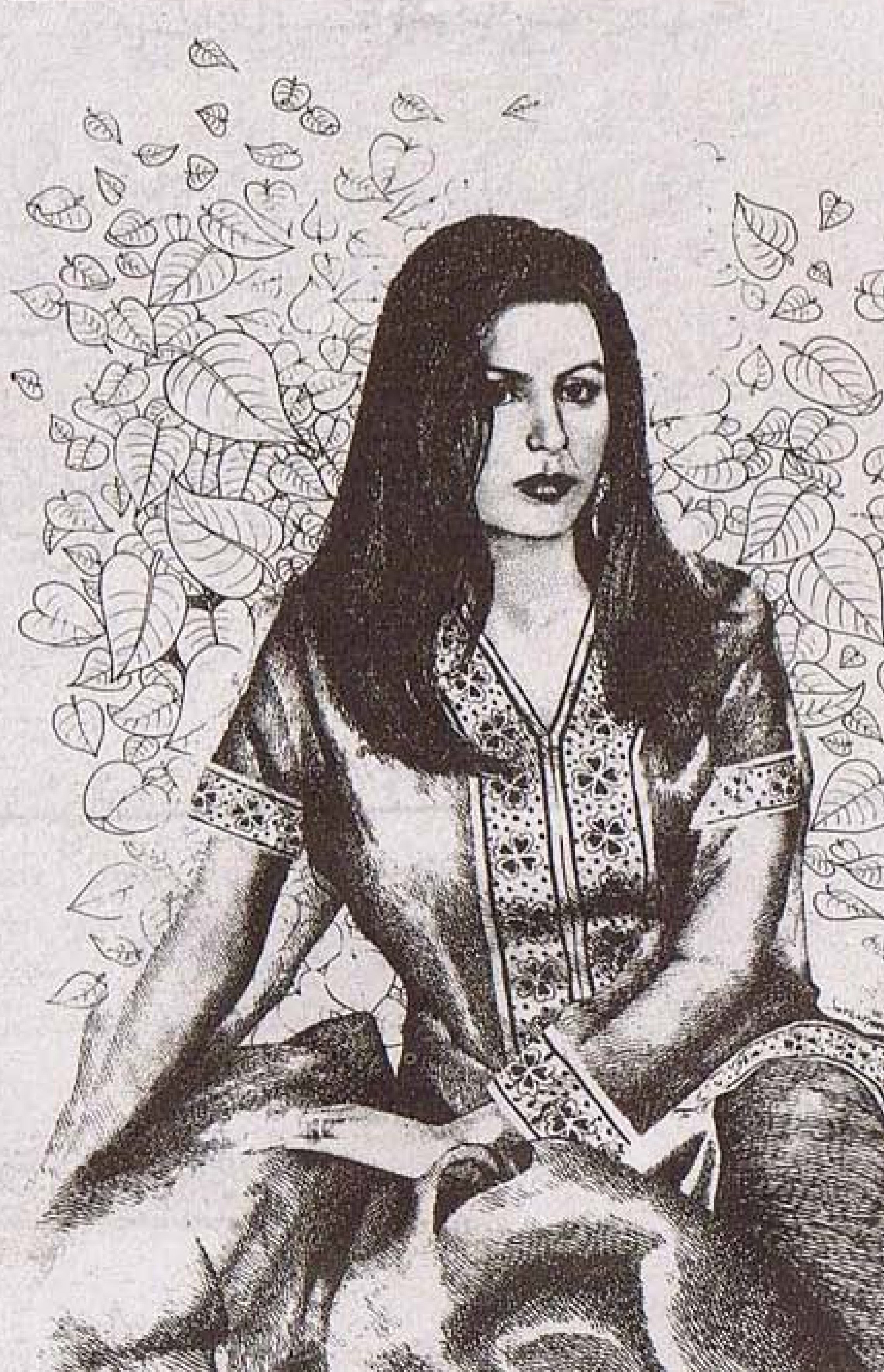

وہ تعلیمی مصروفیات کے سبب بچپن سے شہر کے ہاسٹل میں ہی رہی تھی۔ کالونی میں کم ہی آنا جانا ہوتا تھا۔ اپیا کی تو ایف اے کے بعد شجی بھیا سے شادی ہو گئی تھی۔ اس وقت شہ لالہ ساتویں کلاس میں تھی۔ شجی بھیا ان کے سگے تایازاد تھے۔ بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے ایسے میں عرفان صاحب انہیں اپنے گھر یہاں کالونی میں لے آئے۔ جب وہ پڑھ لکھ کر برسرروزگار ہوئے تو اپنی بیٹی گل لالہ سے شادی کر دی۔ اور شادی کے بعد ان کے اسی گھر میں رہنے پر اصرار کیا تھا۔ وہ کہتے تھے۔

"شجاع میرا گھر داماد نہیں بیٹا ہے اور بیٹا باپ کے گھر ہی جچتا ہے۔"

یوں بھی ان کی جاب بھی یہیں تھی اس لیے وہ بخوشی راضی ہو گئے تھے۔

وہ چھ سات قبل بی اے آنرز مکمل کرنے کے بعد مستقلاً کالونی لوٹی تھی۔ اور یہاں چند ماہ رہ کر ہی بور ہو گئی تھی نہ کوئی دوست نہ اور کوئی دلچسپی۔

ٹھنڈی ہواؤں سے بچنے کے لیے وہ سرخ شال کو اچھی طرح سر اور کندھوں پر پھیلائے ہوئے دور افق پر ڈوبتی سرخیوں پر نگاہ جمائے ہوئے تھی۔

بے دلی کے باعث دو تین دن سے کپڑے بھی نہیں بدلے تھے۔ سرخ اور سیاہ پرنٹ کا مرینہ کا سوٹ شکن آلود اور ملگجا سا تھا۔

وہ اپنے دھیان میں گم تھی۔ خبر بھی نہ ہوئی کہ کب متوازی سڑک پر عمودی لائن بناتی بڑی سڑک سے تیز رفتاری سے آتی ایک پجارو گھر کے گیٹ کی ڈھلوان روش پر آن رکی۔

اندر سے ایک لمبے قد کا کھلتی ہوئی رنگت اور گھنے چمکدار سیاہ بالوں والا وجیہہ سا مرد نکلا۔ بیل بجانے کی غرض سے دائیں جانب کے گیٹ لیمپ کے نیچے موجود سفید بٹن کو دبانے کے ارادے سے آگے بڑھا تو اس پر نظر پڑتے ہی ٹھٹک گیا۔ ہونٹ استعجاب کے عالم میں سکڑ گئے اور روشن موٹی موٹی آنکھوں میں چمک در آئی۔

وہ کچھ ایسی کیفیت میں تھا جیسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آ رہا ہو۔ اس کے سنجیدہ اور متین چہرے کے منجمد تاثرات میں خوشگواریت سی آ گئی اور پیشانی کی شکنیں لمحے بھر میں غائب ہو گئی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اچانک ہی تحیر آمیز مسرت میں گھر گیا ہو۔

شہ لالہ ہنوز بیزاری کے عالم میں خود میں گم تھی۔ ہوا کے تیز جھونکے سے پھڑپھڑاتے شال کے پلو کو سمیٹتے ہوئے اس نے یونہی نظر گھمائی اور اک بے نیاز نگاہ آنے والے اجنبی شخص پر ڈالی۔ وہ بڑی دلچسپی اور شوق کے عالم میں اس کی طرف متوجہ تھا۔ نظر ملنے پر دھیرے سے مسکرایا۔

"ہیلو، کیسے مزاج ہیں؟"

بھاری لہجہ گمبھیرتا اور سنجیدگی کا امتزاج لیے ہوئے تھا۔ انداز میں حد درجہ وقار جھلک رہا تھا۔ بلاشبہ وہ ایک متاثر کن شخصیت کا مالک تھا۔

"ہیلو۔"

شہ لالہ نے کچھ الجھے ہوئے بے پروا انداز میں کہہ کر اپنی توجہ دوسری طرف مبذول کر لی۔ یہ تک پوچھنے کی زحمت نہیں کی کہ کس سے ملنا ہے۔ کیا کام ہے۔

"سالگرہ مبارک ہو۔"

اس بار شہ لالہ کو حیرت کا جھٹکا سا لگا۔ وہ اب حیران سی بغور اس کی جانب دیکھنے لگی۔ چونتیس برس کا یہ سوبر سا مرد کیسے جانتا تھا کہ آج اس کا جنم دن ہے۔

اس دوران اندر سے ملازم نے گھنٹی کی آواز سن کر گیٹ کھول دیا تھا۔ اسے دیکھ کر زوردار سلام جھاڑا اور اپنی معیت میں اندر لے گیا۔

"کون ہیں یہ صاحب؟ انداز تو خاصے شاہانہ ہیں۔" وہ حیرانی سے اسے اندر جاتے دیکھ رہی تھی۔

"پتا نہیں ڈیڈی کے ملنے والے ہیں یا شجی بھائی کے....."

جب وہ جی بھر کر باہر کھڑے کھڑے بور ہو گئی تو مضمحل قدموں سے اندر چلی آئی اور لان میں کین کی کرسی پر بیٹھ کر آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھنے لگی۔

"اف کب آئیں گی بے جی اور اپیا۔" اب وہ بری

طرح جھلا رہی تھی۔

اندر ڈرائنگ روم سے ہنسنے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ گویا وہ صاحب شجی بھیا کے ملنے والے تھے۔

"ارے گڑیا! تم ادھر بیٹھی ہو، میں تمہیں اندر تلاش کر رہا تھا۔"

اسی ساعت شجی بھیا اس شاندار سے آدمی کے ہمراہ ڈرائنگ روم کے دروازے سے باہر آئے تھے۔

"جی بس میں آ رہی تھی۔" وہ تیزی سے شال سنبھالتی سیدھی ہو گئی۔

"یہ میری بہن بمع سالی ہیں شہ لالہ۔ تعلیم سے فارغ ہو کر اب مستقل طور پر کالونی آ گئی ہیں۔ ارادہ ہے کہ کچھ عرصے بعد ٹیچنگ لائن جوائن کریں۔"

شجی بھیا اس کا تعارف کروا رہے تھے۔ شہ لالہ حیران رہ گئی۔ وہ بہت کم شجی بھیا کے دوستوں سے متعارف ہوتی تھی۔ ان کے ہاں اس کا رواج نہیں تھا۔ اس کا مطلب ہے یہ صاحب کچھ زیادہ ہی "کلوز" ہیں گھر والوں سے۔

"اور لالہ! شاید تمہاری ان سے واقفیت ہو، یہ کالونی کی مشہور و معروف شخصیت ہیں آغا ہارون احمد، اس کالونی کا تعمیراتی کام ان کے والد صاحب کی زیر نگرانی تکمیل پایا تھا۔ کالونی کا پرائیویٹ کالج، ہاسپٹل اور دستکاری اسکول بھی انہوں نے تعمیر کرائے ہیں۔ والد صاحب کی وفات کے بعد تمام انتظامات آغا ہارون نے سنبھال لیے ہیں۔

اس خوب صورت کالونی کو مزید بہتر اور پرکشش بنانے کے لیے یہ آج کل ایک جامع منصوبہ ترتیب دے رہے ہیں۔ جس کے تحت بہت مختصر سی مدت میں کالونی میں کلب، ریسٹ ہاؤس، پلے گراؤنڈ اور تفریحی پارک بنانے کے اقدامات کیے جائیں گے بلکہ تفریحی پارک تو تقریباً مکمل ہونے کو ہے۔"

شہ لالہ نے گہری سانس لی۔ اب اندازہ ہوا تھا شجی بھیا کیوں اس کے سامنے بچھے جا رہے تھے۔

وہ محسوس کر رہی تھی کہ آغا ہارون کی نظریں مسلسل اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں اور اس احساس نے اس کی ناگواری اور بیزاری کو مزید دوچند کر دیا تھا تاہم وہ مہر بہ لب رہی۔

"اگر مس شہہ لالہ پسند کریں تو کالونی کے کالج میں انتظامی معاملات سنبھال سکتی ہیں۔ میڈم طلعت کالج کی پرنسپل ہیں۔ انہیں نظام چلانے کے لیے ایک اعلا تعلیم یافتہ اور ذہین معاون کی ضرورت ہے اور مجھے یقین ہے مس شہ لالہ کے تعاون سے ہم جلد ہی اس انٹر کالج کو ڈگری کالج میں تبدیل کر دیں گے۔"

آغا کی تجویز پر شہ لالہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اسی کی جانب متوجہ تھا۔ نظر ملنے پر ہولے سے اس کے لب متبسم ہوئے اس کی نظروں میں اتنی چمک اور بھرپور تاثر تھا کہ شہ لالہ نے دوسرے ہی لمحے نگاہ چرا لی۔

"کیسے دیکھتا ہے، جیسے کھا ہی تو جائے گا۔" وہ دل ہی دل میں تلملا رہی تھی۔

"ہاں لالہ! تجویز تو بہت شاندار ہے، کیا خیال ہے؟"

شجی بھیا نے پرجوش انداز میں کہا۔

"سوچوں گی۔"

وہ دھیرے سے کہہ کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔ لاؤنج میں آئی تو ٹیبل پر پڑے دو گفٹ پیک دیکھ کر متحیر رہ گئی۔

"فرام آغا ہارون احمد ٹو..... شہ لالہ۔"

اس کی نظروں میں زمین آسمان گھومنے لگے۔

"مائی گاڈ مجھے کس حساب میں تحفہ دیا ہے۔"

اس نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں گفٹ پیک کھولے۔ بیش قیمت جیولری سیٹ اور پرفیوم..... اسے حیرانی کا دورہ پڑ گیا۔ ہیپی برتھ ڈے کا نفیس سا کارڈ الگ سے تھا۔

"یہ سب کیا ہے؟ انہیں کیسے علم ہوا میری سالگرہ کا اور.....؟"

وہ الجھ رہی تھی۔ اسی دوران شجی بھیا ادھر چلے آئے تھے۔

"پچھلے سال جب تم چھٹیوں میں شہر سے کالونی آئی تھیں تو تمہاری سالگرہ والے دن آغا تم سے پہلی بار ملے تھے۔ شاید اس وقت کی بات یاد رہ گئی ہوگی۔"

شجی بھیا نے نرمی سے وضاحت کی۔

اور شہ لالہ کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

پچھلے سال ویک اینڈ پر وہ کالونی میں تھی۔ اتفاق سے چھٹی کا دن تھا۔ سب ہی گھر میں موجود تھے۔ شام کو لان میں بیٹھے چائے کے لوازمات اور سالگرہ کے کیک کے ہمراہ سادہ سے انداز میں اس کی سالگرہ منا کر گفٹس دے رہے تھے‘ جب ملازم ڈیڈی کی اجازت پا کر آغا کو ادھر ہی لے آیا تھا۔ شہ لالہ سرسری سی سلام دعا کے بعد اندر چلی گئی تھی۔ اپیا بھی دو چار باتوں کے بعد اس کے پیچھے آگئی تھیں۔

"اچھا تو موصوف نے اتنی پرانی بات یاد رکھی تھی‘ جب ہی تو اس کی صورت کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی تھی مگر مجھ میں ایسی کیا بات نظر آئی اسے جو میرا جنم دن اتنے دھیان سے ذہن میں محفوظ رکھا؟"

اس سے یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ وہ ایک عام سی سادہ سی لڑکی تھی۔ اس نے تو نظر بھر کر اسے دیکھا تک نہیں تھا۔

شاید یہی بے نیازی آغا کو بھاگئی تھی۔

"بات کچھ پلے نہیں پڑی شجی بھیا! اتنی معمولی سی بات آغا ہارون کو کیسے یاد رہ گئی۔ میرا مطلب ہے ہمارا تو ان سے کوئی براہ راست تعلق بھی نہیں ہے۔"

"ہاں‘ حیرانی تو مجھے بھی ہے۔" شجی بھیا پرخیال انداز میں بولے۔

"وہ میرا دوست بھی ہے مگر بڑا موڈی‘ من موجی اور متلون مزاج ہے۔"

کالونی میں اس کا بہت رعب اور دبدبہ ہے۔ ظاہر ہے اتنی اونچی حیثیت ہے۔ ڈیڈی بھی اس کی خوب آؤ بھگت کرتے ہیں۔ کالونی والے اس سے حد درجہ خائف رہتے ہیں۔ اس کی خوشنودی کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ وہ بہت کم کسی کو لفٹ کراتا ہے۔ بس اپنی ہی دنیا میں رہتا ہے۔"

"آپ یہ گفٹس واپس کر دیتے۔ بھئی جان نہ پہچان بڑی خالہ سلام۔ آپ کے دوست ضرور ہوں گے مگر میرے لیے تو قطعی اجنبی ہیں۔"

وہ ناگواری سے کہہ رہی تھی۔

"اتنی ہمت کہاں سے لاتا‘ وہ سخت برا مانتا۔" وہ خفیف سے ہوگئے۔

"سچ تو یہ ہے کہ اس کی شخصیت سے اتنا جلال اور تمکنت ٹپکتی ہے کہ بندہ اس کے مزاج کے خلاف بات کہنے کے لیے سو بار سوچتا ہے۔"

"ہونہہ امیر ہوں گے تو اپنے گھر میں ہوں۔ ہم پر کاہے کا رعب جماتے ہیں۔" شہ لالہ نے ناک سکوڑتے ہوئے سر جھٹکا تھا۔

✡ ✡ ✡

"دیکھو لالہ! بے کار کی ضد چھوڑو اور میرے ساتھ چلو۔"

اپیا اصرار کرتے کرتے عاجز آگئی تھیں مگر وہ مان کے نہیں دے رہی تھی۔

"یقین کیجیے میرا رتی برابر دل نہیں چاہ رہا ہے دعوت میں جانے کو۔ پلیز اپیا!"

وہ لجاجت سے بولی۔

"اس نے خاص طور پر بے جی سے تمہارے لیے کہلوایا تھا۔ دیکھو اتنے بڑے پیمانے پر "آغا پیلس" میں تقریب منعقد کی جا رہی ہے۔ کالونی کے لوگ تو منتظر رہتے ہیں ایسے بلاووں کے۔ آغا ایک بار بلائے تو سو بار سر کے بل چل کر جاتے ہیں۔ بڑا فخر محسوس کرتے ہیں اس قسم کی شاہانہ دعوتوں میں شریک ہو کر اور ایک تم ہو کہ......" اپیا برا سا منہ بناتے ہوئے بولیں۔

"مجھے معاف رکھیے ایسی دعوتوں سے......" اس کی بیزاری بدستور قائم تھی۔ "اونہہ‘ خوامخواہ کی بوریت۔" اس نے ناک سکوڑی۔

"ایک تو تم ہر شے سے بہت جلدی بور ہو جاتی ہو۔" اپیا زچ ہونے لگیں۔

"میں چاہ رہی تھی تمہاری تھوڑی سی آؤٹنگ ہو

جاتی۔ پھر کالونی کے دیگر معززین سے ملاقات بھی ہو جاتی۔ دل بہل جاتا تمہارا۔"

"بھئی سیدھی سی بات ہے مجھے وہ بندہ ہی نہیں اچھا لگتا۔ عجب پراسرار شخصیت ہے اس کی۔ پھر اس کی گیدڑ رنگ سے مجھے کیا واسطہ۔" وہ قطعیت سے بولی اور اپیا کو ہار ماننا پڑی۔

شام کو شجی بھیا‘ اپیا اور ڈیڈی دعوت پر چلے گئے۔ بے جی اس کے خیال سے گھر پر رک گئی تھیں۔ وہ ٹائم پاس کرنے کے لیے لاؤنج میں ٹی وی کے آگے جم گئی۔ صوفے پر نیم دراز ہو کر پروگرام دیکھتے دیکھتے یونہی ذرا دیر کو اونگھ آگئی۔

معاً فون کی تیز بیل پر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ وال کلاک پر نظر گئی تو حیران رہ گئی وہ گزشتہ ڈیڑھ گھنٹے سے محو خواب تھی۔

"کمال ہے‘ پتا ہی نہیں چلا۔" وہ چپل گھسیٹتی لابی میں رکھے فون کی طرف بڑھی تھی۔ کھڑکی کے سمٹے ہوئے پردوں سے باہر گہری ہوتی شام کے عکس واضح نظر آرہے تھے۔

"ہیلو۔" اس نے شکستہ سے انداز میں ریسیور اٹھایا تھا۔

"یہ ستم نہیں تو کیا ہے‘ کہ جس کے اعزاز میں محفل سجائی جائے وہی منظر سے غائب ہو۔ آپ نے بہت ضبط آزمایا ہے ہمارا۔"

بھاری مردانہ لہجے کا شاہانہ پن اور استحقاق بھرا انداز انگشت بدنداں کر گیا۔ وہ جیسے پتھر کی ہوگئی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آغا اس کی غیر حاضری کا اس درجہ نوٹس لے گا۔

"میری طبیعت کچھ ناساز تھی اس لیے۔"

وہ دل سے اٹھتی غصے کی لہر دبا کر رسمی سے معذرت خواہانہ انداز میں بولی۔

"اسے کہتے ہیں‘ کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری۔ بہرحال اگر آپ بروقت مطلع کر دیتیں تو میں یہ دعوت کینسل کرا دیتا کہ اس صورت میں اس کے انعقاد کا کچھ جواز ہی نہیں بنتا تھا۔"

شہ لالہ خاک بھی نہ سمجھ سکی۔ آغا کے لہجے میں اتنا حتمی پن اور قطعیت تھی کہ وہ جوابی کارروائی کے طور پر انداز میں سختی پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہو پائی تھی۔

"اس میں میرا کیا دوش ہے' یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے۔"

وہ بمشکل تمام اپنا غصہ ضبط کر رہی تھی۔

"مگر واضح رہے' آپ میری ذاتیات میں دخیل ہو چکی ہیں۔ آج سے نہیں سال بھر پہلے سے۔ آپ کو جان لینا چاہیے۔ آغا کے لہجے میں حد درجہ رعونت اور نروٹھا پن تھا۔

وہ چپ سکتے میں آگئی۔

یکلخت اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ مٹھیاں بھنچ گئیں۔ دوران خون تیز ہوتا محسوس ہونے لگا۔

"آپ کس انداز میں مجھ سے بات کر رہے ہیں۔" شہ لالہ کا لہجہ واضح طور پر سخت تھا۔ "میں آپ کی رعایا نہیں ہوں' براہ کرم آپ اپنی حد میں رہیں۔" وہ پھنکار کر بولی۔

"اچھی بات ہے' اب میں آپ کو بتاؤں گا میری اور آپ کی حدود کیا ہیں۔" اس کے ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا گیا۔

ایک ثانیے کو شہ لالہ بت بنی کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ وہ ہکا بکا ریسیور ہاتھ میں لیے گھور رہی تھی۔

"دھمکی..... واہ کیا سمجھتے ہیں موصوف خود کو۔" وہ غصے سے کھولنے لگی۔

"شرم تو نہیں آتی پرائی لڑکیوں کو تاکتے ہوئے' اتنی عمر کو پہنچ گئے' شادی شدہ بھی ہو گئے مگر نظر میں حجاب نہیں بھرا۔"

وہ دانت پیس رہی تھی۔ اپیا بتا رہی تھیں بہت عرصہ قبل اپنے خاندان کی لڑکی سے شادی ہوئی تھی۔ اس لڑکی کی عمر نے وفا نہیں کی اور شادی کے دو سال بعد وہ اللہ کو پیاری ہو گئی تھی' اس کے بعد آغا لندن چلا گیا تھا پڑھائی کی غرض سے۔

"اونہہ' وہاں جا کے جانے کیا چاند چڑھائے ہوں گے۔ کسی کو کیا خبر۔" وہ سخت متنفر ہو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

میڈم طلعت سے مل کر اسے خاصی مسرت ہوئی۔ بڑی قرینے کی خاتون تھیں۔ ان کے ہمراہ ایڈجسٹ ہونے میں اسے چنداں دشواری نہ ہوئی تھی۔ اب کسی حد تک کالونی میں اس کا دل لگنے لگا تھا۔

اس روز اپیا کے لاڈلے بیٹے ارسل کو بخار تھا۔ اپیا خود بھی بیمار تھیں اتفاق سے ڈیڈی اور شجی بھیا دونوں گھر پر نہیں تھے۔ ارسل کو ہاسپٹل لے جانے کا مسئلہ تھا۔

"اپیا میں کالج سے چھٹی کر کے ارسل کو ہاسپٹل لے جا کر دکھا دیتی ہوں۔"

"تم سے سنبھل جائے گا؟" اپیا نقاہت سے بولیں۔ "بہت شرارتی ہے' گھر میں گاڑی بھی نہیں ہے۔ پیدل اسے اٹھا کے کیسے جاؤ گی؟" وہ پریشانی سے کہہ رہی تھیں۔

"کوئی بات نہیں' پانچ منٹ کی تو واک ہے۔"

اس نے احتیاط سے گل گوتھنے سے ڈھائی سالہ ارسل کو بازوؤں میں لے لیا۔ جس کے رخسار بخار کی حدت سے سرخ ہو رہے تھے۔

گھر سے سیدھی سڑک ہسپتال کی طرف جاتی تھی۔ سڑک کے اردگرد سفیدے اور پاپلر کے درخت ہوا سے لہرا رہے تھے۔ صبح گیارہ بجے کا وقت تھا۔

"چندا' رونا نہیں' شاباش۔"

وہ تیز تیز چلتی ہوئی ارسل کو تھپک بھی رہی تھی۔ ہسپتال پہنچ کر وہ سیدھی او پی ڈی کی طرف بڑھی تھی۔ خوش قسمتی سے رش نہ ہونے کے برابر تھا۔ کاؤنٹر پر سلپ بنوانے کے بعد وہ ڈاکٹر کے کمرے کے باہر بیٹھے اٹینڈنٹ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ڈاکٹر صاحب فارغ ہیں کیا؟"

"وہ جی' راؤنڈ پر ہیں جی۔"

اٹینڈنٹ نے سر سے کھسکتی ہوئی ٹوپی جماتے ہوئے مستعدی سے جواب دیا۔

"راؤنڈ پر؟" اسے تعجب ہوا۔

"مگر نو سے بارہ تو او پی ڈی کا ٹائم ہوتا ہے۔ راؤنڈ بارہ بجے کے بعد شروع ہوتا ہے۔"

وہ جھنجلائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

"بات یہ ہے جی کہ آغا صاحب ہسپتال کے دورے پر آئے ہیں۔ تمام ڈاکٹر صاحبان اور اسٹاف ان کے ساتھ ہے۔ وہ معائنہ کر رہے ہیں یہاں کے انتظامات کا۔"

"اُف۔" وہ سخت بیزاری سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اسی اثناء میں پورا وفد ادھر آتا دکھائی دیا۔

"لو جی۔ ڈاکٹر صاحب آ گئے ہیں اور آغا صاحب بھی۔"

اٹینڈنٹ مستعدی سے کھڑا ہو کر مؤدبانہ نظروں سے اس طرف دیکھنے لگا۔

باہر کے دروازے کی سمت بڑھتے ہوئے آغا کے قدم اسے دیکھ کر خود بخود سست پڑ گئے تھے۔ ڈاکٹرز انہماک سے اس کے مشورے اور تجاویز سن رہے تھے۔

"خیریت ہے؟" آغا کو تشویش لاحق ہوئی۔

"کوئی خیریت سے ہاسپٹل کب آتا ہے۔"

وہ جھلاہٹ چھپا کر سپاٹ لہجے میں گویا ہوئی۔ تبھی آغا اس کی گود میں نیم خوابیدہ کھلونے سے بچے کی طرف دیکھنے لگا جسے وہ اس کے گھر میں دو چار بار دیکھ چکا تھا۔

"ڈاکٹر صاحب' آپ کو فراغت ہو تو بچے کو دیکھ لیں۔ اسے رات سے بخار ہے۔"

وہ قدرے جتانے والے انداز میں ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

آغا ہارون نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی۔ دھانی کپڑوں میں اکھڑے اکھڑے انداز اور بگڑے ہوئے تیور لیے وہ پیشانی پر بل ڈالے بیزار سی کھڑی تھی۔ جانے کیا بات تھی اس کے بے مروت اور روکھے پھیکے رویوں کے باوجود اس کی طرف دل کھنچتا تھا۔ کوئی بات تھی جو اس عام سی آدم بیزار لڑکی کو خاص بنا گئی تھی۔

گو آغا ایسے رویوں کا عادی نہیں تھا۔ وہ مد مقابل کی اونچی آواز برداشت نہیں کرتا تھا۔ اس کا انا پرست اور حاکمانہ مزاج کسی دوسرے کی من مانی اور بدمزاجی ہرگز گوارا نہیں کر پاتا تھا مگر اس کھردری اور جارحانہ مزاج والی لڑکی کے سامنے وہ خود کو بے بس محسوس کرتا تھا۔

ڈاکٹر' آغا سے رخصت چاہتے ہوئے اپنے روم کی طرف بڑھ گیا۔ ساتھ ہی شہ لالہ کو بھی اندر آنے کا اشارہ کیا۔

"ایکسکیوز می۔"

وہ اس کی سائڈ سے ہو کر جھپاک سے ڈاکٹر کے کمرے میں چلی گئی۔

اچھی طرح چیک اپ کروانے کے بعد دوائیوں کی پرچی لے کر وہ ہاسپٹل کے میڈیکل اسٹور میں گھس گئی۔ دوائیوں کے لفافے اور ارسل کو سنبھالتی ہوئی جب ہاسپٹل کے احاطے سے باہر آئی تو بھونچکا رہ گئی۔

گیٹ کے پاس پجیرو سے ٹیک لگائے آغا ہارون محویت سے سگریٹ پی رہا تھا۔ غالباً اسی کا منتظر تھا۔

"آؤ میں تمہیں گھر چھوڑ دوں۔"

وہ دوستانہ انداز میں اس کے قریب آ کر بولا۔ اس کی اس درجہ بے تکلفی شہ لالہ کو بہت کھلی۔

"شکریہ' میں چلی جاؤں گی۔"

اس نے بدلحاظی سے کہہ کر قدم بڑھائے وہ تیزی سے سامنے آ گیا۔

"تم اس قدر خود سر اور بدتمیز کیوں ہو؟" وہ اسے گھورنے لگا۔

اس کے کڑے تیور دیکھ کر وہ ایک لمحے کو خائف سی ہو گئی۔

"چلو' بیٹھو۔" وہ جلال میں آ کر حکمیہ بولا۔

"میں پہلے بھی عرض کر چکی ہوں آغا صاحب! کہ میں آپ کی رعایا نہیں ہوں' میں اپنی مرضی کی مالک ہوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے چبا چبا کر بولی۔

بمشکل تمام ضبط کر رہا تھا۔

"تو پھر تم بھی ایک بات کان کھول کر سن لو۔"

وہ اس کے ہٹیلے انداز پر غضب ناک چہرہ لیے اس

کے مقابل آکر ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

"ایک دن میں تمہیں اپنی مرضی پر چلا کر دکھاؤں گا۔" اس کی آنکھوں سے چنگاریاں برس رہی تھیں۔

"ہونہہ' وہ دن مر کر بھی نہیں آئے گا۔"

شہ لالہ سرخ چہرہ لیے مٹھیاں بھینچ کر اشتعال کے عالم میں گویا ہوئی اور گاڑی کا دروازہ ایک دھماکے سے بند ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

اور پھر جیسے گھر میں اک بھونچال سا آگیا۔

آغا ہارون نے اپنا پروپوزل شہ لالہ کے لیے بھیجا تھا۔

اس نے تو زمین آسمان ایک کر ڈالا۔ کسی صورت بھی آمادہ ہونے کو تیار نہ تھی۔

شجی بھیا کی دلی خواہش تھی' اپیا تقریباً" نیم رضا مند تھیں اور ڈیڈی بھی اس پروپوزل پر سنجیدگی سے غور کر رہے تھے۔ رہ گئیں بے جی تو وہ بے چاری نہ تین میں تھیں نہ تیرہ میں۔ ساری زندگی دوسروں کے فیصلوں پر صاد کیا تھا۔ ان کی اپنی کوئی مرضی نہیں تھی۔

"مجھے کسی قیمت پر یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔"

وہ پیر پٹخ رہی تھی۔ اپیا جز بز سی ہو کر اسے دیکھ رہی تھیں۔

"بھئی آخر کوئی معقول وجہ بھی تو ہو انکار کی۔"

وہ اس کے انکار کو اس کی نادانی پر محمول کر رہی تھیں۔

"اس طرح کے نواب ٹائپ لوگ بڑے عیاش اور مغرور ہوا کرتے ہیں۔ صرف اپنی "میں" کو اہمیت دینے والے۔ اور میرا ایسے لوگوں کے ساتھ گزارا نہیں ہو سکتا۔" اس نے صاف کہہ دیا۔

"آغا ہارون ایسے نہیں ہیں۔ بس ذرا کم گو ہیں اور لیے دیے رہتے ہیں۔ تمہیں بہت خوش رکھیں گے۔ اتنی چاہ سے رشتہ مانگا ہے۔ کتنے ہی گھرانے امیدوار تھے اپنی بیٹیوں کے لیے مگر آغا نے شادی کے لیے پیش رفت نہیں کی۔ تم نے ان کا کفر توڑا ہے خدا خدا کر کے۔"

"اسی بات سے تو مجھے سازش کی بو آتی ہے۔" شہ لالہ نے زور دے کر کہا۔

"آخر ایسی کیا بات دیکھ لی ہے انہوں نے مجھ میں۔ کالونی میں کتنی ہی حسین و ذہین اور سلیقہ مند لڑکیاں موجود ہیں۔ میں تو ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ اتنی عام سی لڑکی ہوں۔ کوئی ہیرے موتی نہیں جڑے۔

بات ساری یہ ہے کہ آغا صاحب انتقامی کارروائی کے طور پر یہ قدم اٹھا رہے ہیں۔ وہ عادی ہیں رعایا کو اپنے سامنے سر جھکائے دیکھنے کے۔ میں نے ان کی حاکمیت نہیں مانی تو انہوں نے یہ طریقہ سوچ لیا میری تذلیل و تحقیر کرنے کا۔"

وہ اپنے موقف پر مضبوطی سے قائم تھی۔ لہجے میں بلا کا طنز اور زہریلا پن تھا۔

"تم غلط سوچ رہی ہو' وہ تو بہت پہلے جب تم سے ملے تھے تب سے متاثر تھے۔"

"اور یہی تو سوال ہے اپیا! کہ کیوں متاثر ہوئے۔ مجھ میں تو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

اپیا جھلا سی گئیں۔

"بھئی انہیں نظر آگئی ہو گی کوئی ایسی بات۔ بعض اوقات کسی کو پسند کرنے کی کوئی خاص وجہ نہیں ہوتی۔ بس یونہی کوئی شخص من کو بھا جاتا ہے۔"

"جس طرح کسی کو پسند کرنے کا کوئی ریزن نہیں ہوتا اسی طرح بعض اوقات یونہی کوئی شخص بلاوجہ ہمیں برا لگنے لگتا ہے۔ کوئی واضح سبب نہ ہونے کے باوجود ہم اس کو پسندیدگی کا مقام دینے سے قاصر رہتے ہیں۔ میرے معاملے میں آپ یہی سمجھ لیجیے۔" وہ اطمینان سے بولی۔ "مجھے وہ صاحب پسند نہیں ہیں' بھئی مجھے تو سیدھے سادے عام سے اپنے جیسے صاف گو لوگ اچھے لگتے ہیں۔" وہ کندھے اچکا کر مزید گویا ہوئی۔

"یا خدا۔" اپیا نے سر تھام لیا۔

"تم تو بچ مچ ٹیڑھی کھیر ہو خبر بھی ہے تمہارے بھیا

اور ڈیڈی اس رشتے کے کتنے حمایتی ہیں۔" اپیا بگڑ کر اسے دیکھنے لگیں۔

"بھلا بتائیے تو' اپنے آباؤ اجداد کے خاندانی نام اور دولت کے علاوہ موصوف کے پاس اور کون سی خوبی ہے۔" وہ استہزائیہ بولی۔ "ہاں ایک اور پوائنٹ موصوف کے حق میں جاتا ہے کہ شکل و صورت کے اچھے ہیں۔ اس کے علاوہ مزید کوئی چاند تارہ ان کی شخصیت پر ٹکا دکھائی نہیں دیتا۔ معاف کیجیے گا اپیا! اس درجہ مغرور اور خود پرست شخص سے اپنی قسمت پھوڑنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔ آپ بھیا اور ڈیڈی سے کہہ دیجیے گا۔" وہ اٹل لہجے میں بولی۔

شجی بھیا اس کے انکار پر بہت پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ وہ آغا کنسٹرکشن کمپنی میں ایک اہم عہدے پر فائز تھے۔ اس حساب سے آغا ہارون ان کا باس بھی تھا۔ پھر کالونی میں آغا کی اپنی ایک مستحکم اور انفرادی حیثیت تھی جسے چیلنج نہیں کیا جا سکتا تھا اور ان کے حساب سے آغا کے رشتے میں کوئی ایسا عیب بھی نہیں تھا۔ دیکھا جاتا تو شہ لالہ کے لیے بہترین پروپوزل تھا۔

"خدا جانے انہوں نے کتنی شادیاں کر رکھی ہوں گی شجی بھیا! ایک تو وہ ہے جو ہم سب کے علم میں ہے۔ لندن میں پانچ برس ان کا قیام رہا ہے۔ وہاں دو تین تو ضرور ہی کر رکھی ہوں گی۔ جب دولت گھر کی لونڈی ہو اور اختیار بھی ہو تو کون کافر پارسائی کا دامن تھامے رہے گا۔"

"بھئی مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہاں جاؤں' کیا کروں' دو ٹوک انکار مجھ سے کسی طور ممکن نہیں ہے ڈیڈی بھی اپنا پہلو بچا گئے ہیں۔ انہوں نے فیصلے کی صلیب میرے کاندھوں پر رکھ دی ہے۔" شجی بھیا سخت ٹینشن میں تھے۔

"دیکھو تم ایک بار پھر سوچ لو۔" وہ التجائیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

"ہزار بار بھی سوچوں تو یہی نتیجہ نکلے گا شجی بھیا۔" اس نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ "یقین کیجیے میرا دل نہیں مانتا' اس پروپوزل کے علاوہ آپ جہاں چاہیں' جس شخص کے ساتھ چاہیں رشتہ جوڑ دیں۔ میں ایک لفظ نہیں کہوں گی مگر یہاں نہیں۔"

وہ اس درجہ لجاجت سے گویا ہوئی کہ شجی بھیا کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔

انہوں نے گول مول سے نرم انداز میں بالآخر شہ لالہ کا موقف آغا تک پہنچا دیا۔ آغا سن کر کتنی ہی دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا۔

شجی بھیا دھڑکتے دل سے آغا کے تاثرات جانچنے کی کوشش کر رہے تھے کہ کہیں وہ ناراض تو نہیں ہو گیا۔ ان کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔

"اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو میں براہ راست شہ لالہ سے بات کر لوں؟" بالآخر وہ سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھ کر بولا۔

"مجھے بالکل بھی اعتراض نہیں' آپ شوق سے بات کر لیں۔" وہ جلدی سے بولے۔

"اگر وہ قائل ہو جائے تو ہم ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر آپ کو ہاں کر دیں گے۔"

گھر آکر انہوں نے شہ لالہ کو بلا کر آغا کی آمد کی وجہ بتائی۔

"کیا مصیبت ہے۔ کمبل ہی ہو گئے ہیں موصوف۔"

وہ اندر ہی اندر بری طرح جھلا رہی تھی۔ تاہم شجی بھیا کے سامنے مہر لب رہی۔ مارے باندھے سر ہلا دیا۔

"قائل تو ان کے فرشتے بھی نہیں کر سکتے مجھے۔" اس نے سلگ کر سوچا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس شام آغا کو چائے پر مدعو کیا گیا تھا۔ ڈیڈی ان دنوں اپنے آفیشل ٹور پر کراچی گئے ہوئے تھے۔ اپیا شجی بھیا کے ساتھ ڈرائنگ روم میں میزبان کے طور پر آغا کے سامنے موجود تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ اس کے کمرے میں آ گئیں۔

"جاؤ تم اب' تمہارے بھیا بلا رہے ہیں۔"

"اور دیکھو کوئی بدتمیزی مت کرنا' خیال رہے وہ یہاں کی طاقت ور سماجی شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ تمہارے بھیا کے باس بھی ہیں۔"

"معلوم ہے مجھے۔" وہ برے برے منہ بناتی اٹھ بیٹھی۔

"کپڑے تو بدل لو' برسوں کے پہنے ہوئے ہیں۔" اسے سر جھاڑ منہ پہاڑ جاتا دیکھ کر اپیا نے ٹوکا۔

"چلے گا سب۔" وہ بے پروائی سے کہہ کر باہر نکل گئی۔

چونکہ وہ ذہنی طور پر تیار تھی اس لیے آغا کے روبرو قطعی خائف نہ ہوئی۔ بہادری سے ڈٹ کر بیٹھ گئی۔

شجی بھیا کسی حیلے بہانے سے درمیان سے کھسکنا چاہ رہے تھے۔ اسی لمحے شہ لالہ نے پہل کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر نڈر انداز میں پوچھا۔

"آغا صاحب! ایک بات ایمانداری سے بتایئے گا' آپ نے تو کل کتنی شادیاں کی ہیں؟"

اس کے انوکھے سوال پر شجی بھیا ہکا بکا رہ گئے۔ اس کے بد لحاظ تیور الگ انہیں گڑبڑائے دے رہے تھے۔

انہوں نے دہل کر آغا کی طرف دیکھا۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہو گئی تھیں۔ موٹی موٹی چمکدار آنکھوں میں غضب کی سرخیاں ہلکورے لینے لگی تھیں۔ تاہم جب وہ بولا تو لہجہ حد درجہ پرسکون تھا۔

"ایک اٹھارہ برس کی عمر میں بابا جان نے خاندان کی لڑکی زینب سے کی تھی پھر اس کی وفات کے بعد انگلینڈ میں قیام کے دوران انگریز لڑکی جوزیفائن سے شادی کی تھی مگر یہ تعلق چل نہیں سکا۔ شادی کے چھ ماہ بعد باہمی رضامندی سے طلاق ہو گئی۔"

"اوہ۔"

یہ انکشاف شہ لالہ کے لیے تو تحیر کا باعث تھا ہی خود شجی بھیا بھی دھک سے رہ گئے۔ ان کے تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ آغا دو شادیاں کر چکا ہے۔

"تو گویا اب مجھ سے شادی رچانے کا ارادہ ہے۔"

اس کی حد درجہ بد لحاظی پر آغا بری طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ شجی بھیا بھی برہمی سے شہ لالہ کو دیکھ رہے تھے۔ اس سے تو بہتر تھا وہ سامنے ہی نہ آتی۔ خواہ مخواہ بات بڑھا کر آغا کے غصے کو آواز دے رہی تھی۔

"ہاں۔"

آغا نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اٹل انداز میں کہا۔ وہ اس کے جارحانہ تیوروں کی تاب نہ لاتے ہوئے نگاہ چرا گئی۔

"آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں سر جھکا کر آپ کے "حرم" میں چلی آؤں گی۔"

اس نے بد لحاظی کی انتہا کر دی۔

اب کے آغا کا ضبط پارہ پارہ ہو گیا۔ وہ سرخ چہرہ لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"دس از ٹو مچ۔"

وہ آگ بگولہ ہو کر بیرونی دروازے کی طرف لپکا۔ شجی بھیا "آغا.... آغا" کرتے رہ گئے تھے۔

"یہ تم نے کیا کیا' انہیں ناراض کر دیا۔" شجی بھیا کے لہجے میں ہراس غالب آ گیا تھا۔

"جاؤ انہیں روکو نادان لڑکی' اس درجہ اثرورسوخ فل بندے کو للکارنا سراسر بے وقوفی ہے۔ ہم کل کو کسی مصیبت میں بھی گھر سکتے ہیں۔ جاؤ انہیں روکو۔"

شجی بھیا کے سراسیمہ تیور شہ لالہ کو کنفیوز کر گئے۔ وہ اپنی ضد بھول کر باہر کی طرف لپکی۔

"بات سنیے۔"

وہ گیٹ سے نکلنے کو تھا جب شہ لالہ تقریباً بھاگتی ہوئی اس کے سامنے آ گئی۔

آغا کو لامحالہ رکنا پڑا۔ اس نے غصے سے سرخ ہوتی آنکھوں سے شہ لالہ کی جانب دیکھا۔

"اندر چلیے پلیز۔"

"میرے راستے سے ہٹ جایئے محترمہ۔ اتنی تواضع کافی ہے۔" وہ نہایت تلخی سے گویا ہوا۔

"اگر آپ کو میری کوئی بات بری لگی ہے تو مجھے اس

پر افسوس ہے۔" وہ اسے ٹھنڈا کرنے کی غرض سے بعجلت بولی۔

اس کے اس درجہ شیریں انداز لمحے بھر میں آغا کو موم بنا گئے۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی لڑکی ہے جو کچھ دیر پہلے اپنے تحقیر آمیز استہزائیہ انداز سے اس کو آتش فشاں بنا گئی تھی۔

"یوں آزمائش بن کر میرے سامنے نہ کھڑی ہوا کرو۔ میں ضبط کھونے لگتا ہوں۔"

نرمی سے اس کا گداز بازو تھام کر ایک طرف کرتے ہوئے وہ خوابیدہ سے لہجے میں گویا ہوا۔ اس کی نظروں کی تپش اور لمس کی حدت شہ لالہ کے رخساروں پر خون چھلکا گئی۔ وہ فطری حجاب کے حصار میں آ گئی۔ پلکیں جھک گئی تھیں اور ساری طراری لمحے بھر میں ہوا ہو گئی تھی۔

پھر وہ سر جھٹک کر تیزی سے اس کی گرفت سے نکل کر ایک طرف ہو گئی۔ آغا گم صم سا بے خود کھڑا اس کو نگاہ کے ذریعے دل میں اتار رہا تھا۔

"میں پھر آؤں گا میری زندگی۔" وہ اس کے سامنے ہولے سے جھک کر مخمور لہجے میں بولا۔ "تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنا بنانے کے لیے۔"

شہ لالہ بری طرح چونک کر اس کو گھورنے لگی۔ حیا کا طلسم اور لمس کی میٹھی میٹھی دہکتی ہوئی مدہوشی پل بھر میں رفو چکر ہو گئی تھی۔

"آپ کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہو گی۔" وہ بھنا ہی تو گئی تھی۔

"یہ تو وقت بتائے گا۔"

آغا کا انداز بہت چیلنجنگ تھا۔ وہ بل کھا کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔ ڈیڈی بھلے چنگے کراچی گئے تھے۔ واپسی پر روڈ ایکسیڈنٹ میں شدید زخمی ہو گئے اور پھر زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے بالآخر چل بسے۔

گھر میں جیسے کہرام سا مچ گیا تھا۔ کتنی ہی مدت تک اس حادثے پر دل کو صبر نہیں آیا مگر وقت ہر زخم کا مرہم ہوتا ہے۔ اب شجی بھیا اور بے جی اس کی شادی کی زیادہ فکر رہنے لگی تھی۔

ان ہی دنوں ایک نیا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ آغا کنسٹرکشن کمپنی کی نئی برانچ لاہور میں کھولی گئی تھی اس کا انتظام سنبھالنے کے لیے شجی بھیا اس برانچ کا ہیڈ بنا کر لاہور ٹرانسفر ہونے کے آرڈر آ گئے۔ ظاہر ہے اپیا اور ارسل بھی شجی بھیا کے ہمراہ لاہور جا رہے تھے۔

کیونکہ یہ ٹرانسفر مستقل بنیادوں پر کیا جا رہا تھا۔ ایسے میں شہ لالہ کی رہائش کا مسئلہ تھا۔ لاہور جانے پر وہ آمادہ نہیں تھی اور یہاں کالونی میں اسے اکیلے چھوڑنا شجی بھیا کے لیے ممکن نہیں تھا۔ بے شک بے جی اس کے ہمراہ موجود تھیں مگر وہ خود بھی بیمار رہنے لگی تھیں اس کی دیکھ بھال کیا کرتیں۔

ایسے میں اپیا نے دبے لفظوں میں بڑے آغا کے پروپوزل کا ذکر چھیڑ دیا۔ شجی بھیا بھی یہی چاہ رہے تھے۔

"کمال ہے اپیا! کیا میں اس درجہ بار ہو گئی ہوں آپ پر کہ ایک عیاش طبع مغرور رئیس کے پلے باندھ رہی ہیں۔ اس کے حرم کی زینت بنانے کے لیے۔"

وہ چیخ پڑی تھی۔ آنکھوں میں پانی اترنے لگا تھا۔ اپیا تڑپ گئیں۔ اٹھ کر اس کو گلے سے لگا کر پیار کرنے لگیں۔

"ہم تمہارا برا ہرگز نہیں چاہ رہے میری جان! تمہارے مزاج اور عادت کو سامنے رکھ کر آغا کے پروپوزل پر غور کیا ہے۔ بے شک تمہارا اعتراض بجا ہے کہ وہ پہلے سے دو بار شادی کر چکا ہے مگر جان وہ باتیں اب قصہ پارینہ بن چکی ہیں۔ ایک مر گئی دوسری چھوڑ گئی۔ قصہ ختم۔ وہ تمہیں اپنے دل کی رضا سے گھر میں بیاہ کر لائے گا تو ظاہر ہے ہر طرح کے نخرے بھی اٹھائے گا۔ تم جو چاہو گی ناز سے منوا لو گی۔ ایسے سنجیدہ مزاج اور روڈ سے بندے جب محبت کرنے پر آتے ہیں تو انتہا کر دیتے ہیں۔ وہ تمہیں ہر طرح سے خوش رکھے

گا۔ اسی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے اس کی سابقہ شادیوں کی قباحت کو صرف نظر کیا ہے۔ تم بھی سب واہمے دل سے جھٹک دو۔"

اپیا اسے پیار سے سمجھا رہی تھیں۔

"اپیا! وہ بہت فریبی اور متکبر ہے۔ محض آپ کو دکھانے کو پیار محبت جتلا رہا ہے۔ دیکھ لیجیے گا باندی بنا کر رکھے گا۔ وہ محض مجھے فتح کرنا چاہ رہا ہے اسے یہ بات چین نہیں لینے دے رہی کہ اس قدر معمولی اور عام سی شکل و صورت والی لڑکی اس کی شاندار شخصیت و حیثیت کو نظر انداز کر رہی ہے۔ پلیز آپ سمجھیے تو۔" وہ التجا کر رہی تھی۔

"تم بھی کچھ سمجھنے کی کوشش کرو۔" اب کے اپیا بولیں تو ان کے لہجے میں بلا کی سنجیدگی تھی۔ "ہم اس وقت آغا کی مخالفت مول لینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ اگر ڈیڈی زندہ ہوتے تو اور بات تھی مگر موجودہ صورت حال میں آغا کے خلاف اسٹینڈ لینا سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔ شجی ایک طرح سے ان کے ملازم ہیں۔ ان کی ترقی کے پیچھے آغا کا ہاتھ ہے۔ پھر کالونی میں آغا ایک بااختیار شخصیت ہیں۔ آغا نے ہاتھ کھینچ لیا تو ہمارا اس کالونی میں قیام خوشگوار نہ رہے گا۔"

"تو اس کا مطلب ہے آغا مجھے خرید رہا ہے۔ اپنا اختیار جتا کر' بے بس کر کے شکار کر رہا ہے؟" وہ چیخ چیخ گئی۔

یہ انکشاف حد درجہ جان لیوا تھا۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔

"خود غرض' جاہ پسند...... ہونہہ' دیکھوں گی مسٹر تم مجھے کس طرح حاصل کرتے ہو۔ اگر قدرت نے تمہیں مجھ پر اختیار سونپ دیا تو بھی میرے دل تک رسائی نہیں پا سکو گے۔" وہ اندر سے بھڑک رہی تھی۔

"اب بتاؤ تمہارا کیا فیصلہ ہے' بس آخری بات بتاؤ تاکہ اس روز روز کی ٹینشن سے جان چھوٹے۔" اپیا تھکی ہوئی آواز میں پوچھ رہی تھیں۔

"اب انکار کا کیا جواز رہ جاتا ہے اپیا۔" وہ زہر خند ہوئی۔ "کسی کو بے دست و پا کر کے اس سے رائے پوچھی جائے تو وہ کیا کرے گا؟ سوائے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑنے کے۔ اتنے شدید دباؤ کے بعد کہاں گنجائش نکلتی ہے۔ موصوف میری قیمت لگا رہے ہیں۔ کر لیں اپنا انتقام پورا' جائیں کہہ دیں لے آئیں قاضی اور گواہ۔"

وہ آنسو چھپانے کو جھپاک سے باہر نکل گئی تھی۔

اپیا سوچتی ہوئی نظروں سے اسے جاتا دیکھتے ہوئے نڈھال سے انداز میں آغا پیلس کا نمبر ملانے لگی تھیں۔

"وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خود ہی سنبھل جائے گی اور یقیناً ہمارے فیصلے کو سراہے گی۔" وہ خود کو تسلی دے رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"کیا مصیبت ہے بھئی' یہ احتجاجی مظاہرہ کب تک جاری رہے گا؟"

شادی کی تیسری رات بھی جب وہ آغا کے بیڈ روم کا اندرونی دروازہ کھول کر برابر والے کمرے میں سونے کی غرض سے قدم بڑھانے لگی تو وہ زچ ہو کر بول پڑا تھا۔

شہ لالہ نے ایک کٹیلی نگاہ اس پر ڈالی۔

"مجھ پر اپنی اجارہ داری قائم کرنا تھی۔ سو کر لی۔ اب آپ کو اس سے کیا غرض کہ میں کہاں جا کے سوتی ہوں۔"

اس کی بات پر آغا معنی خیز نظریں اس پر جما کر آہستگی سے مسکراتا ہوا اس کے سامنے آ گیا۔

"کہاں قائم کرنے دی ہے اجارہ داری۔ ساری حسرتیں دل کے تہہ خانے میں بند پڑی ہیں۔ تمنائیں بے تاب اور آرزوئیں بے قرار ہیں تمہارے وجود پر تسلط جمانے کو مگر......"

اس نے دانستہ فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اور ہولے سے اس کے ماتھے پر جھولتی لٹ کو کھینچا۔

وہ جو اس کے سرگوشی کرتے لہجے کے خمار اور معنویت پر پوری جان سے کانپ گئی تھی۔ اس کی جسارت پر آگ بگولہ ہونے لگی۔

"زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ سختی سے کہہ کر لٹ چھڑانے لگی۔

"میں اس وقت اس سے بھی زیادہ فری ہونے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔"

وہ برجستگی سے گویا ہوا پھر ہاتھ بڑھا کر اس کا بازو تھام لیا۔ شہر لالہ کو جیسے کرنٹ سا لگا۔ اس کی قربت اسے حواس باختہ کرنے لگی تھی۔ وہ بے دم ہونے لگی۔

"ہاتھ ہٹائیے۔" وہ نظر ملائے بنا اپنے بازو کو اس کی فولادی گرفت سے آزاد کرانے کی سعی کر رہی تھی۔

"اور تم یہ تکلف ہٹا دو ناں۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وارفتگی سے بولا۔

"مجھے بیوقوف بنانا اتنا آسان نہیں ہے آغا صاحب! میں مفت میں ہاتھ آنے والا مال نہیں ہوں۔ آپ کی امارت' آپ کی حیثیت' شان و شوکت اور وجاہت میری نظر میں کسی ایک چیز کی بھی اہمیت نہیں ہے۔ میں ان ہتھکنڈوں سے مرعوب ہونے والی لڑکی نہیں ہوں۔ اس چمک دمک سے کوئی عقل کا اندھا ہی متاثر ہو گا۔ صرف اپنے گھر والوں کے مفاد کی خاطر مجبوری کا سودا کیا ہے۔" اس کا بے لچک اور قطعی انداز اپنے عروج پر تھا۔

آغا کو جھٹکا سا لگا' نظروں کی جوت بجھ گئی۔ وہ تو سمجھ رہا تھا وہ اس کے جذبوں کو پذیرائی بخش کر اس کے ساتھ شادی پر رضامند ہوئی ہے۔ جذبات سے سرشار دل یک دم ویران ہو گیا۔

"کس نے کہا تھا مجبوری کا سودا کرنے کو...... نہ کرتیں۔"

جذبوں پر انا کا نقاب چڑھا کر وہ درشتی سے بولا اور اس کا بازو چھوڑ دیا۔

"تم نے بہر طور آغا پیلس آنا ہی تھا میں جس کو ایک بار حاصل کرنے کا سوچ لوں اس کو اپنا بنا کر ہی دم لیتا ہوں۔"

"ہاں اور اب تو آپ تین مرتبہ یہ "سعادت" حاصل کر چکے ہیں۔"

اس نے لفظ "تین" پر خاص طور پر زور دیا تھا۔ وہ بھڑک اٹھا۔

"زبان سنبھال کر بات کرو۔ اپنے اور میرے مقام کا تعین کر کے بولا کرو ورنہ میں لحاظ نہیں کروں گا۔"

"یہ دھمکی کسی اور کو دیجیے گا۔"

اس کے ہٹ دھرم انداز نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ آغا نے شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ایک جھٹکے سے اس کے بازو موڑتے ہوئے سامنے پڑی کرسی پر دھکا دے دیا۔

تکلیف کی زیادتی سے بے اختیار شہ لالہ کے منہ سے چیخ نکل گئی تھی۔

"آپ تشدد سے کام لے کر میرا دل فتح نہیں کر سکتے۔ لکھ لیجیے بے شک۔"

اس کی آنکھوں میں اترتے آنسو اور لہجے میں دہکتا الاؤ آغا کے بھڑکتے ہوئے انداز پر پانی ڈالنے لگا۔ وہ جو اسے سبق سکھانے کا ارادہ کیے ہوئے تھا اس کے بڑھتے ہوئے قدم سست پڑنے لگے۔ وہ آہستگی سے پیچھے ہٹ گیا۔

کچھ بھی سہی وہ اس کی محبت تھی' وہ اس کے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتا تھا۔

وہ بازو سہلاتی آنسو پیتے ہوئے اندرونی دروازے سے دوسرے کمرے میں گھس گئی اور جلدی سے لاک لگا کر بستر پر آ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اپیا کچھ عرصے بعد اس سے ملنے اور اس کی خیر خبر لینے کے لیے آغا پیلس آئیں تو اس کے بے پروا انداز دیکھ کر ہکا بکا رہ گئیں۔ ان کا تو خیال تھا اسے اب عقل آ گئی ہو گی۔

انہوں نے اسے اعتماد میں لے کر بڑے پیار سے نرمی سے سمجھایا۔ مگر وہ اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھی۔

"آپ لوگوں نے اور انہوں نے جو زبردستی کرنی تھی' کر لی۔ اب کیا چاہتے ہیں آپ لوگ مجھ سے جو ناپسندیدہ ہے وہ ہر حال میں ناپسندیدہ ہے۔ زبردستی کوئی کسی کو اچھا یا برا نہیں لگ سکتا۔ میں کیسے ان کی

پذیرائی کروں۔ میرے دل میں کوئی گنجائش، کوئی مثبت تاثر ہی نہیں ہے۔ دھمکی اور اختیار سے انتقام کے لیے حاصل کی گئی ہوں میں۔"

اپیا اس کے ذہن سے آغا کے لیے بنا ہوا منفی تاثر ختم کرنے میں ناکام رہی تھیں۔

پھر کتنے ہی دن بیت گئے۔

آغا ہارون نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ اس کے معمولات میں کم ہی مداخلت کرتا پھر اس کی اپنی بے تحاشا مصروفیات تھیں۔ کبھی کنسٹرکشن کمپنی کے سلسلے میں لاہور، کراچی کے چکر لگتے۔ کبھی کالج، ہاسپٹل اور اسکول کے مالی و انتظامی امور کے سلسلے میں ذمہ دار افراد ملاقات کے لیے آ رہے ہیں۔ کبھی آئندہ کے منصوبوں کی تکمیل کے لیے انجینئرز اور منتظم حضرات سے میٹنگ طے کی جا رہی ہے۔

"وہ مخصوص نوابانہ عیاشیاں کس وقت کرتے ہوں گے موصوف۔"

شہ لالہ بے چینی سے منتظر تھی اسے رنگے ہاتھوں پکڑنے کے لیے۔

"یہ سنجیدہ قسم کی مصروفیات تو دکھاوا ہے محض۔ اصل "رنگ" تو بعد میں کھلیں گے۔"

اس روز شام کو وہ بے مقصد سے انداز میں لان میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ہلکی ہلکی پھوار اسے بھگو رہی تھی۔ وہ اپنے خیالات میں اس قدر محو تھی کہ بارش اور آغا دونوں کے آنے کی خبر نہ ہو سکی۔

"بارش میں کیوں بیٹھی ہو۔"

وہ خالی الذہنی کے عالم میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"تم سے ہی کہہ رہا ہوں بھئی۔ اتنی ٹھنڈ میں بیمار ہونا ہے کیا۔"

وہ دوبارہ بولا۔ تو اسے صحیح معنوں میں ہوش آیا۔ "آسمانوں پہ پانیوں سے بھرے بادل تیر رہے تھے تو یقیناً" کچھ دیر بعد جل تھل ہو جانی تھی۔

"بارش اچھی لگتی ہے کیا؟"

ایک لمحے کو کچھ سوچ کر وہ بھی اس کے مقابل لان چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"پتا نہیں۔" وہ بیزاری سے گویا ہوئی۔

آغا نے ایک لمحے کو اس کے گندمی گالوں پر لگے بارش کے قطروں کو دلچسپ نظروں سے دیکھا پھر ہلکا سا مسکرا دیا۔

"ایسی ہی بے نیازی سی خود میں مگن، عالم سے بے گانہ کیفیت میں، میں نے پہلی بار تمہیں تمہاری سالگرہ کے موقع پر دیکھا تھا۔ خود فراموشی کی وہ شاہانہ اور مغرور ادا مجھے تمہاری طرف متوجہ کر گئی۔ پھر ٹھیک ایک سال بعد دوبارہ تمہیں سفیدے سے ٹیک لگائے گیٹ کے آگے اسی موڈ میں کھڑے دیکھا تھا۔ لڑکیوں میں یہ ادا اچھی لگتی ہے۔ حد درجہ منجمد، محو اور بے نیاز سا شاہانہ انداز مقابل کو بات کرنے سے قبل سو بار سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ غیر مرد کی ساری جرأتیں بہا کے لے جاتا ہے۔ لڑکیوں میں نسوانی غرور اور بے نیازی ہونی چاہیے کہ یہ غیر مردوں کے دست ہوس سے بچنے کے لیے بہترین حفاظتی باڑھ کے کام کرتے ہیں۔ ہاں مگر واضح رہے، غیر مردوں کے لیے "اپنے مرد" کے لیے ہرگز نہیں۔"

وہ قدرے آگے کو جھک کر معنی خیز انداز میں زور دے کر بولا تھا۔

"ہونہہ فراڈی، جال میں کسنے کے لیے دانہ ڈال رہا ہے۔"

وہ بالکل بھی متاثر نہیں ہوئی تھی اس کی نرم خوئی سے۔ اس کی پیشانی شکن آلود ہونے لگی تھی۔ ہونٹ چباتے ہوئے گردن موڑ کر دوسری طرف دیکھتے ہوئے وہ گویا اپنی لاتعلقی کا اظہار کرنا چاہ رہی تھی۔

"آؤٹنگ پر چلو گی؟ راستے میں بارش بھی انجوائے کر لینا۔"

ویسے تو وہ کبھی جانے پر آمادہ نہ ہوتی مگر اس وقت سچ مچ اتنی بیزار ہو رہی تھی کہ تھوڑی سی پس و پیش کے بعد تیار ہو ہی گئی۔

آغا اپنی "بھیرو" نکالنے لگا تھا۔ ڈرائیور صاحب کو دیکھ کر لپکا مگر آغا نے ہاتھ کے اشارے سے اسے واپس

اپنے کوارٹر میں جانے کو کہہ دیا۔

وہ لوگ ابھی کالونی سے نکلے ہی تھے کہ بارش زور و شور سے برسنے لگی۔ اودے اودے سیاہی مائل سبز پہاڑوں پر دھند سی چھا رہی تھی۔

گاڑی کی پر حرارت آرام دہ فضا میں کیسٹ پلیئر سے گونجنے والی دلکش آواز نے گویا اک سماں سا باندھ دیا۔

چاہی تھی دل نے تجھ سے وفا کم بہت ہی کم
شاید اسی لیے ہے گلہ، کم بہت ہی کم

شہ لالہ نے دزدیدہ نظروں سے ڈرائیونگ میں مگن آغا کے بھاری بالوں بھرے سفید ہاتھوں کو اسٹیئرنگ پر حرکت کرتے دیکھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم لب بھینچے ونڈ اسکرین پر نگاہ جمائے ہوئے تھا۔

جلتے سنا چراغ سے دامن ہزار بار
دامن سے کب چراغ جلا، کم بہت ہی کم
صدیوں سے یوں تو ہے یہاں انسان کا وجود
انسان ہم کو کب ہے ملا، کم بہت ہی کم

بہت خوب صورت غزل تھی اور شاید آغا کی پسندیدہ بھی۔

آجائیے کہ آپ سے پہلے نہ آئے موت
اب وقت رہ گیا ہے بہت کم، بہت ہی کم

اس کے بعد کیسٹ کا اگلا گانا شروع ہو گیا تھا۔

اے میرے ہم نشیں، چل کہیں اور چل
اس چمن میں اب اپنا گزارا نہیں
بات ہوتی گلوں تک تو سہہ لیتے ہم
اب تو کانٹوں پہ بھی حق ہمارا نہیں
دل کو بہلائیں کیسے شب ہجر میں
دل بہلنے کا کوئی سہارا نہیں
چاند بھی چھپ گیا، رات بھی ڈھل گئی
آسماں پہ کوئی بھی ستارہ نہیں

شہ لالہ حیران ہو رہی تھی کہ اس درجہ رئیسانہ مزاج والے شخص کا ذوق اتنا نفیس بھی ہو سکتا ہے۔ وہ گیت کے بولوں میں گم تھا اور شاید اس آواز کے ذریعے اسے بھی کچھ جتانا چاہ رہا تھا۔

جانے کس کی لگن، کس کی دھن میں مگن
جا رہے تھے کہیں مڑ کے دیکھا نہیں
ہم نے آواز پہ تم کو آواز دی
پھر بھی کہتے ہو ہم نے پکارا نہیں
میرا ذوق نظر آزما لیجیے
گر ہو بجلی گرانا گرا لیجیے
میں بھی گھر سے چلا ہوں یہی سوچ کر
آج نظریں نہیں یا نظارہ نہیں

شہ لالہ نے بے ساختہ اس کی طرف دیکھا۔ عین اسی لمحے آغا نے ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ نظروں کا تصادم ہوا تو آغا کی نظروں کی جارحانہ چمک سے ہراساں ہو کر اس نے "فوراً" ہی نگاہ چرائی تھی۔

"جانے کیا ارادے ہیں موصوف کے، اف اللہ اب برستے ہوئے سرد موسم میں تو گاڑی کے علاوہ کوئی جائے پناہ بھی نہیں ہے۔" اس نے جھرجھری سی لی تھی۔

بالآخر گاڑی سڑک کے بائیں طرف ایستادہ ایک سرسبز سے پہاڑ کے دامن میں رک گئی۔

انجن بند کر کے اپنی سیٹ کو آرام دہ حالت میں بیک کرتے وقت آغا قدرے ترچھا ہو کر دونوں بازو سینے پر باندھ کر ٹیک لگاتے ہوئے اس کی جانب متوجہ ہوا۔

یک دم شہ لالہ کا دل دھڑکا۔ وہ اس کی دسترس میں تھی۔ وہ کسی لمحے بھی ہاتھ بڑھا کر اسے گرفت میں لے سکتا تھا اور یہ احساس اسے بری طرح خوفزدہ کیے دے رہا تھا۔ وہ غیر ارادی طور پر دھیرے دھیرے پرے سرکتی ہوئی بالکل دروازے سے جا لگی تھی۔

آغا اس کی گھبراہٹ کو دلچسپی سے جانچ رہا تھا۔

"ایک بات تو بتاؤ لالہ؟"

وہ اپنی پوزیشن تبدیل کیے بغیر اسے نظروں کی گرفت میں لیتے ہوئے بولا۔

"تم مجھ سے اس درجہ بیزار اور خائف سی کیوں رہتی ہو؟ شروع سے ہی کتراتے ہوئے بے گانہ انداز میں پیش آ رہی ہو، کیا مجھ کوتاہی سرزد ہو گئی ہے مجھ

سے!"

اس کے دوستانہ انداز شہ لالہ کو گھبراہٹ میں مبتلا کیے دے رہے تھے۔ وہ نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے بدستور چپ تھی۔

"یہ رویے شادی سے پہلے بہر طور کسی قدر قابل قبول تھے مگر اب اس طرح کی بے گانگی' رکھائی اور جھنجلاہٹ کے مظاہرے بے سبب نہیں ہو سکتے۔ اگر مجھ سے کچھ شکایت ہے تو کھل کر کہو۔ میں ہر طرح کی وضاحت دینے کے لیے تیار ہوں بشرطیکہ تمہارا دل مطمئن ہو سکے۔"

آغا کا لہجہ اپنائیت جگا رہا تھا۔ وہ اب بھی کچھ کہنے سے قاصر رہی۔

"اگر تمہیں میرے "شادیاں" کرنے پر اعتراض ہے تو اس سلسلے میں' میں اپنی جگہ پر درست ہوں۔ پہلی شادی ہوئی تو خدا نے بیوی کو اپنے پاس بلا لیا۔ دوسری جگہ کی تو نبھ نہیں سکی۔ صرف میں ہی نہیں جوزفائن کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ ہم دونوں کے مزاج اور ذہن نہیں ملتے۔"

"وہ تو میرے اور آپ کے کون سا ملتے ہیں۔"

وہ چیخ کر بولی۔ آغا ذرا سا مسکرا دیا۔

"تمہاری ذات میں ایک مضبوطی اور قطعیت ہے۔ تم اس درجہ پر اعتماد اور اٹل شخصیت کے طور پر سامنے آئی ہو کہ مقابل خود بخود تمہارے کردار کی پاکیزگی اور پختگی کی قائل ہو جاتا ہے۔ مجھے فیصلہ کن تیور رکھنے والے' زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینے والے لوگ بہت انسپائر کرتے ہیں کہ ایسے لوگ اپنی چیلنجنگ طبیعت سے کام لے کر ناممکن کو بھی ممکن بنا دیتے ہیں۔ میں خود بھی ایسا ہی ہوں۔ ہاں مگر تم میں کچھ "اضافی" اوصاف ہیں جو نباہ کی راہ میں حائل ہو رہے ہیں۔

تم ضدی اور کچھ ہٹیلی سی ہو۔ جو بات ایک بار دماغ میں بٹھا لو اس سے آگے نہیں سوچتیں اور یہ چیز بہت نقصان دہ ہوتی ہے۔ بندے کو لچک اور گنجائش ضرور رکھنی چاہیے۔ خصوصاً "عورت" کو اپنے "شوہر" کے مقابل ہٹ دھرمی' انا پرستی اور بد مزاجی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔"

اس کی ذو معنی متبسم نظروں کے جواب میں وہ جز بز سی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی۔

"اونہہ' کیسے تاک تاک کر تیر چلا رہے ہیں۔ جانتے ہیں ناں کہ اس وقت میں سب کچھ دیکھنے سننے پر مجبور ہوں۔"

وہ بے نیازی دکھانے کو کھڑکی کی طرف گردن موڑ کر دیکھنے لگی۔ باہر ایک تواتر سے بارش ہو رہی تھی۔

اسی لمحے اسے قیمتی مردانہ پرفیوم اور سگریٹ کی ملی جلی خوشبو اپنے بہت قریب محسوس ہوئی۔ بوکھلا کر گردن موڑی تو سٹپٹا کر رہ گئی۔ آغا اس کے قریب جھک کر اس کا ہاتھ تھامنے کو تھا۔ اس نے برق کی سی تیزی سے اپنے آپ سمیٹ کر گویا اس کی دسترس سے بچنے کی بے سود سی کوشش کی۔

"فکر نہیں کرو۔ تمہیں تمہاری رضا کے بغیر ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

وہ جھجکتے ہوئے انداز میں بولا۔

"فی الوقت میں تمہاری موجودگی کو محسوس کرنا چاہ رہا ہوں' کم آن۔"

دوسرے ہی لمحے اس کا لرزتا ہوا سرد گداز ہاتھ آغا کے مضبوط ہاتھ میں دب چکا تھا۔

"تم نے نیل پالش نہیں لگائی! اتنے خوب صورت اور چمکدار ناخن ہیں۔" وہ بغور اس کے ہاتھ کا جائزہ لے رہا تھا۔

"تمہارے چہرے میں' آنکھوں اور بالوں میں بلکہ پورے سراپے میں ایک خاص قسم کی چمک اور شفاف پن ہے۔ یہی چمک تو مجھے اسیر بنا گئی تھی۔" وہ بے تکلفی سے حکایت دل اسے سنا رہا تھا۔

وہ بے اختیار نروس سی ہونے لگی۔ آغا کی گہری نظروں کو وہ اپنے وجود پر متحرک محسوس کر سکتی تھی۔ اس کے دھیمے لہجے کی گمبھیرتا اسے گڑبڑانے پر مجبور کر رہی تھی۔

آغا نے اس کا ہاتھ اپنی مٹھی میں مقید کیے اس کی طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس لی۔ ایک لمحے کو اس کے دل کی بے ایمان ہوتی دھڑکنوں نے اسے اکسایا تھا۔ جی چاہا اسی ہاتھ کو بھرپور جھٹکا دے کر اس کے ٹھنڈے پڑتے نازک سے گداز وجود کو خود سے قریب کر لے اور خود میں سمو کر جذبوں کی ساری پیاس بجھا لے۔ مگر وہ خود سے کیے گئے عہد کے ہاتھوں بے بس تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ گستاخی پر آمادہ کرتے اس خواب ناک ماحول کی لپیٹ میں آ کر بہک جاتا' اس نے تیزی سے اس کا ہاتھ چھوڑ کر سیدھے ہوتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی کہ خود پر قابو پانے میں اسے خاصی دشواری کا سامنا ہو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ریسٹ ہاؤس اور کلب کی تعمیر کے سلسلے میں کاغذی کارروائی مکمل ہو چکی تھی۔ آج کل آغا تندہی سے ان کی تعمیر کے کام کی نگرانی کر رہا تھا۔ دن رات مصروف رہتا تھا۔

شہ لالہ نے کالج جانے کا معمول جاری رکھا تھا۔ صبح سے دوپہر تک وہاں وقت گزر جاتا مگر اس کے باوجود باقی دن کاٹے نہیں کٹتا تھا۔ اکتا دینے والی شامیں اور بے چین راتیں۔

ایک تو بے جی بھی کالونی میں نہیں تھیں۔ شجی بھیا انہیں اپنے ساتھ لاہور ہی لے گئے تھے۔

اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ اس شام وہ بے چینی سے آغا کا انتظار کر رہی تھی۔

"صاحب کب تک آ جائیں گے؟"

شام گہری ہونے لگی تو وہ کچن میں مصروف ملازم سے پوچھ بیٹھی۔ خود اسے تو آغا کے معمولات کا علم ہی نہیں تھا۔ گھر بار میں بھی کبھی دلچسپی نہیں لی تھی۔ گھر کا کام ملازم کرتے تھے اور آغا کی ضروریات کا خیال رکھنے کو اس کا خاص ملازم شریف الدین موجود رہتا تھا۔

"وہ جی شریف کو بہتر پتا ہو گا۔" خانساماں نے انکساری سے جواب دیا۔

شریف کو ڈھونڈتی ہوئی وہ آغا کے بیڈ روم آئی تو وہ وارڈ روب کھولے صاحب کے کپڑے سیٹ کرتا نظر آیا۔

"آج جاپانی تعمیراتی کمپنی کے صدر سے صاحب کی میٹنگ ہے بی بی جی! شام چھ بجے سے آٹھ بجے تک جاری رہے گی۔ پھر صاحب انہیں ڈنر کے لیے شہر کے فائیو اسٹار ہوٹل میں لے جائیں گے۔ وہیں ان کی رہائش کا بندوبست بھی کیا گیا ہے۔ اندازاً" رات دس بجے تک واپس لوٹیں گے صاحب۔"

شریف نے مئودب ہو کر جواب دیا۔ وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔ انتظار تو کرنا ہی تھا۔

دس کی بجائے گیارہ بج گئے تھے۔ وہ برآمدے میں سنگ مرمر کی سیڑھیوں پر بیٹھی سرخ بجری کی گیٹ تک جاتی روش پر نگاہ جمائے ہوئے تھی۔ برآمدے کی سبز مائل روشنی والی ٹیوب لائٹس آن تھیں۔

ٹھنڈ بڑھ رہی تھی مگر شہ لالہ کو کوئی خاص محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

وہ اپنے خیالوں میں اتنی مگن تھی کہ گیٹ کھلنے اور پورچ میں پجیرو کے رکنے کی آواز پر بھی نہ چونکی حتیٰ کہ تھکا تھکا سا آغا قدم اٹھاتا عین اس کے سر پر پہنچ گیا۔ اسے حسب معمول دنیا سے بے خبر اپنے دھیان میں گم دیکھ کر وہ آہستگی سے مسکرا دیا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے تعجب سے پوچھ رہا تھا۔

شہ لالہ نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔

"آپ کا انتظار۔" اس نے مختصراً بتایا۔

"کیا۔" آغا اچھل پڑا۔ ایک لمحے کو اپنی سماعت پر اعتبار نہیں آیا۔

"دوبارہ کہو' کیا کہہ رہی تھیں؟" وہ پینٹ کے پائنچے اوپر سرکا کر اس کے قریب سیڑھیوں پر بیٹھ کر بے تابی سے پوچھنے لگا۔

"جبھی آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ ایک بات کرنی تھی۔" وہ ناگواری سے بولی۔

"اوہ تو گویا بات کرنے کے لیے انتظار ہو رہا تھا۔"

وہ ڈھیلا پڑ گیا' چہرہ بجھ سا گیا تھا۔

"بہر حال ارشاد فرمائیں۔ مگر سنو کیا ہی اچھا ہو جو تم میرے بیڈ روم میں آ کے بات کر لو۔ میں سخت تھکا ہوا ہوں اور چینج کر کے گرم بستر میں گھسنے کی خواہش رکھتا ہوں۔ یہاں ویسے بھی ٹھنڈ لگ رہی ہے۔" وہ کچھ پس و پیش کے بعد راضی ہو گئی۔

"آپ چینج کر لیں، میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔"

کاش اس آمادگی کے ساتھ تم ہمیشہ کے لیے میرے بیڈ روم میں آنے کی بات کرو۔" وہ اٹھتے اٹھتے شرارت سے اسے دیکھ کر کہہ گیا۔

"دیکھیے، اب لڑائی کا آغاز آپ کی طرف سے ہو رہا ہے۔"

اس کا چہرہ کچھ غصے اور کچھ شرم سے سرخ پڑ گیا تھا۔ آغا ہنس کر اس کے بالوں کی لٹ کھینچتا ہوا اندر کی جانب بڑھ گیا۔

وہ کم از کم آدھے گھنٹے بعد اس کے بیڈ روم میں داخل ہوئی تو وہ آرام سے لحاف میں دبکا ہوا نیم دراز سا اس کا منتظر تھا۔

وہ جھجکتے ہوئے کر اندر آ گئی۔ دروازہ پوری طرح کھلا رہنے دیا تھا۔

"بھئی دروازہ تو بند کرتی آؤ، سارے ہیٹنگ سسٹم کا ستیاناس ہو جائے گا۔"

"میں بس دو منٹ میں جا رہی ہوں۔"

وہ اپنا "سیف وے" بند کرنے پر آمادہ نہ ہوئی۔

"دراصل بات یہ ہے....."

وہ یونہی کھڑے کھڑے کہہ کر نکلنے کا ارادہ باندھے ہوئے تھی کہ آغا نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"آرام سے بیٹھ کر بات کرو، ایسی جلدی بھی کیا ہے۔ بھئی شریف کافی بنوا کر لا رہا ہے، تم بیٹھو ادھر صوفے پر۔ بیڈ پر بیٹھنا تو غالباً گوارا نہیں کرو گی۔"

اس نے بیڈ کے مقابل میرون مخملیں صوفے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے آخر میں جیسے چھیڑنے والے انداز میں ٹکڑا لگایا تھا۔

وہ خود کو سخت لاچار محسوس کرتے ہوئے ہونٹ چباتی مارے باندھے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس سے پہلے کہ بات شروع کرتی، شریف کھلے دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر اندر چلا آیا۔

اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی نفیس ٹرے تھی جس میں کافی کے دو مگ رکھے تھے۔ صاحب اور بیگم صاحبہ کو تھما کر وہ مؤدبانہ واپس مڑا اور جاتے جاتے دروازہ اچھی طرح بند کر گیا۔

آغا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

شہہ لالہ اپنی جگہ پہلو بدل کے رہ گئی۔ اب وہ دوبارہ اٹھ کر تو دروازہ کھولنے کی حماقت نہیں کر سکتی تھی۔

"ایسا ہے کہ میں چاہ رہی ہوں ایک دو ہفتوں کے لیے لاہور شجی بھیا کے پاس چلی جاؤں۔ اپیا اور بے جی سے ملنے کو بہت جی چاہ رہا ہے۔"

اس نے کافی کی چسکی لیتے ہوئے جلدی سے مدعا بیان کیا۔

"ایسا کرتے ہیں ان لوگوں کو یہاں بلوا لیتے ہیں۔" آغا کی تجویز پر وہ برہمی سے اسے دیکھنے لگی۔

"اس سے کیا فائدہ۔ میں لاہور جانا چاہ رہی ہوں۔"

"گویا ماحول میں تبدیلی کی خواہاں ہو؟" آغا کے پوچھنے پر اس نے سر ہلا دیا۔

"تو پھر ایسا ہے کہ ہم ہنی مون ٹرپ کے لیے نکل جاتے ہیں۔ پہلے شمالی علاقہ جات چلیں گے پھر وہاں سے بیرون ملک سوئٹزر لینڈ، سنگاپور اور ہانگ کانگ..... کیا خیال ہے؟"

آغا کی آنکھوں سے بلا کی شرارت ٹپک رہی تھی۔

"صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ مجھے اسی زندان میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ختم ہوتا دیکھنے کے آرزو مند ہیں۔"

وہ زہریلے انداز میں بولی۔

"اس درجہ بدگمانی بھی اچھی نہیں ہوا کرتی میری جان۔"

وہ اس کی توقع کے برعکس بڑے سکون سے بولا تھا۔

"بات یہ ہے کہ تمہاری غیر موجودگی میں آغا پیلس کی ہر شے اداس اور بے رنگ سی ہو جاتی ہے۔ اس کے مکینوں سمیت، پھر ایک دو ہفتے تو بہت زیادہ ہوتے ہیں۔"

"کوئی زیادہ نہیں ہیں۔" وہ زور دے کر بولی۔

"چلیے میں دس دن بعد لوٹ آؤں گی؟" وہ مفاہمت پر آمادہ نظر آئی۔

"دس دن.....!" آغا نے دہرایا۔ "یار دس صدیاں لگیں گی ہمیں۔" اس نے جھرجھری لے کر کہا۔

"میں کچھ نہیں جانتی، بس آپ مجھے ایک دو دن میں بھجوا دیں لاہور۔"

وہ ہٹیلے پن سے بولی۔ آغا دلچسپی سے اس کے ضدی اور خود سر تاثر جانچ رہا تھا۔

"اچھی بات ہے۔ میں شریف سے کہہ کر انتظامات کروا دوں گا۔"

وہ تو اسے یونہی تنگ کر رہا تھا ورنہ اسے کیا اعتراض تھا اس کی جانے پر۔

"شکریہ کیا، کام نکلوا کر شکریہ و نذرانہ دیے بغیر جا رہی ہو۔"

اسے اٹھنے کے لیے پر تولتے دیکھ کر وہ چھیڑے بنا نہیں رہ سکا تھا۔

"کیا مطلب۔" وہ اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گئی اور اچنبھے سے بولی۔

"ہائے، مطلب مطالب نہ پوچھا کرو زندگی"

وہ شریر انداز میں کہتے ہوئے بستر سے نکل کر اس کے سامنے آ گیا۔ چاکلیٹی کلر کے مخملیں پٹی والے سلیپنگ گاؤن میں اس کا دراز قد مزید نمایاں ہو رہا تھا۔ اس کی پرشوق نگاہ اور آنچ دیتا لہجہ شہہ لالہ کے اوسان خطا کرنے لگا۔

وہ اٹھ کر جانا چاہتی تھی مگر آغا اس کے عین مقابل اس طرح کھڑا تھا کہ وہ اٹھ کر کھڑی ہوتی تو سیدھی اس کے سینے سے ٹکرا جاتی۔

"سنو۔" وہ ہولے سے جھک کر محبت بھرے نرم گرم انداز میں مخاطب ہوا۔

اس کے بھاری پن میں کچھ تھا کہ شہہ لالہ کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔

"دیکھیے، آپ وعدہ خلافی مت کریں۔"

وہ بمشکل تمام اپنے حواسوں پر قابو پاتے ہوئے لرزتی ہوئی آواز میں سر جھکائے بول رہی تھی۔

"مجھے اپنا عہد یاد ہے۔" وہ پنجوں کے بل اس کے مقابل بیٹھ گیا۔ اس طرح کہ اب وہ کسی طور اٹھ کر نہیں جا سکتی تھی۔

"مگر یار، تم بھی تو اب سزا میں ترمیم کرو کچھ، یہ انتظار جان لیوا بنتا جا رہا ہے، چھ ماہ سے کنویں کے قریب رہ کر پیاسا ہوں۔" اس کا دھیما جذباتی لہجہ بے قابو سا ہو رہا تھا۔

شہہ لالہ کی ٹانگیں کانپنے لگیں، ہونٹ خشک ہونے لگے۔ اس کا جسم ہولے ہولے لرز رہا تھا، وہ اتنا قریب تھا کہ لمحے کے ہزارویں حصے میں بہ سرعت اسے چھو سکتا تھا۔ اس کی آنچ دیتی قربت شہہ لالہ کے رخسار جلائے دے رہی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ مروڑتی ہوئی بری طرح سٹپٹائی ہوئی تھی۔

"مجھے جانے دیں پلیز۔"

جانے کس طرح جرأت سے کام لے کر وہ کہہ پائی تھی۔

جواب میں وہ چپ چاپ بھرپور نظروں سے اس کے خدوخال کا جائزہ لیتا رہا۔

"لالہ پلیز، اب بس کرو۔"

بہت دیر بعد اس کی سرگوشی نے بت توڑا۔

"مان جاؤ ناں۔"

وہ اپنے بے قابو ہوتے جذبات پر بند باندھے ہنوز حد پار کرنے سے خود کو باز رکھے ہوئے تھا۔ اور وہ بے درد لحظہ لحظہ اس کا ضبط آزما رہی تھی۔

"آپ ضد و زبردستی سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے۔"

اس کے سحر انگیز لہجے کے خمار سے وہ اندر سے کمزور پڑنے لگی تو حفاظتی دیوار اٹھاتے ہوئے ایک دم جھنجلا کر پھٹ پڑی تھی۔

آغا کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے کچلتے

ہوئے تیزی سے اس کے سامنے سے اٹھا اور زور سے دروازہ بند کرتے ہوئے باتھ روم میں مقید ہو گیا۔

شہر لالہ اپنے اڑے اڑے حواس مجتمع کرتی ہوئی بجلی کی سی تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

لمحوں کا طلسم زائل ہوا تو وہ اپنی کمزوری پر خود کو لعنت ملامت کرنے لگی۔ ابھی تک دل کی دھڑکنیں معمول پر نہیں آئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"بہت شاندار گھر ہے آپ کا۔"

وہ تعریفی نظروں سے پورا گھر گھوم پھر کر جائزہ لے رہی تھی۔

"کمپنی کی طرف سے ملا ہے۔" اپیا خوشی خوشی بتا رہی تھیں۔

"خیر کتنا ہی اچھا سہی، تمہارے آغا پیلس سے اس کا کیا مقابلہ وہ تو سچ کا شاہی محل ہے۔"

"چھوڑیں۔" وہ اپیا کے ستائشی انداز پر منہ بنا کر بولی۔

"مجھے تو قید خانہ لگتا ہے، ویران اداس اور بے جان سا۔"

شجی بھیا نے اسے دو دنوں میں سارا لاہور گھما دیا تھا۔ اس بار وہ بڑی گہری نگاہ سے اپیا اور شجی بھیا کی ازدواجی زندگی کا جائزہ لے رہی تھی۔ اور بہت ساری باتوں کے انکشافات اب ہو رہے تھے۔

وہ چونکہ شروع سے شہر کے ہاسٹلز میں رہتی تھی اس لیے گھریلو معاملات سے خاصی حد تک بے بہرہ تھی۔ پہلی بار اس نے دیکھنے والی نگاہ سے معاملات دیکھے اور بھونچکا سی رہ گئی۔

شجی بھیا گھر میں موجود ہوتے تو بھی ہر وقت اپنے آپ کو کسی نہ کسی کام میں الجھائے رکھتے تھے۔ حالانکہ اب ارسل کے ساتھ ساتھ گاڑی کی دیکھ بھال بھی کرنی پڑتی تھی۔ پھر گھر بھر کی ذمہ داری بھی اپیا کے کندھوں پر تھی۔

"میرے موزے کہاں رکھے ہیں، رومال کیوں نہیں دھویا۔ اُفوہ کپڑوں پہ استری کرنا بھی یاد نہیں رہا بیگم صاحبہ کو۔"

وہ واضح طور پر جھلائے ہوئے کھردرے انداز میں پکارتے تھے۔ اپیا افتاں و خیزاں بیڈ روم کی طرف لپکتیں۔

"بس ابھی کر دیتی ہوں سب کچھ" گڑیا کی نیپی بدل رہی تھی۔"

اسی اثناء میں ارسل ناشتے کے لیے ماں کو پکارنے لگتا۔ اپیا کا ایک پاؤں ادھر ہوتا اور ایک ادھر۔ کچن کا کام، گھر بھر کی صفائی، کپڑوں کی دھلائی سے لے کر شوہر اور بچوں کی ضرورتوں کا خیال، ہر کام کے لیے اپیا جوابدہ تھیں اور اس کے باوجود شجی بھیا ناخوش رہتے تھے۔

"کس قدر پھوہڑ ہو تم، شوہر کی ضروریات کا خیال نہیں۔" وہ برملا کہتے۔

کبھی سالن میں نمک یا مرچ تیز ہو جاتا تو بگڑنے لگتے تھے۔

"اتنے برس گزر گئے تمہیں ڈھنگ کا کھانا پکانا نہیں آیا۔ حد ہے۔"

اور اپیا چپ چاپ سنتی رہتیں۔ کبھی منمناتے ہوئے صفائیاں دینے لگتیں۔

شہر لالہ سخت استعجاب کے عالم میں اپیا کو دیکھتی رہ جاتی۔

"کمال ہے اپیا شجی بھیا آپ کی اتنی انسلٹ کرتے ہیں اور آپ ہیں کہ حکم کی باندی بنی پھرکی کی طرح ان کے آگے پیچھے پھرتی رہتی ہیں۔" وہ ناراضی سے کہہ رہی تھی۔

جواب میں اپیا ہولے سے مسکرائیں۔

"بھئی انسلٹ کی اس میں کیا بات ہے۔ اگر شوہر آپ کی کوتاہی پر ڈانٹ دے یا غصہ کرے تو بیوی کو خاموشی سے پی جانا چاہیے۔ وہ صحیح بات پر ہی تو ٹوکتے ہیں۔ حق رکھتے ہیں اس بات کا۔ ایسی معمولی معمولی باتوں کو توہین و تحقیر سمجھ کر بیوی محاذ کھول بیٹھے تو گزارا ہو گیا سمجھو، سارے گھر کا سکون اور ترتیب تہس

نہس ہو جائے ایسے تو۔"

اور وہ ہونق سی انہیں دیکھتی رہ گئی۔

اس نے تو کبھی جھوٹے منہ آغا سے نہیں پوچھا تھا کہ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتائیں، اس کے جوتے کپڑے، کھانے پینے اور آرام و سکون کا خیال رکھنے کی ذمہ داری شریف کے سر پر تھی۔ رہے گھر کے کام تو اس کی بلا جانے ملازمین کس لیے تھے۔ پھر وہ آغا پیلس کو اپنا گھر کب سمجھتی تھی جو مالکانہ ذمہ داریاں نبھاتی۔ اور آغا نے کبھی ایک لفظ نہیں کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس روز وہ اپیا کے ساتھ بازار گئی تو اپیا کو ان کی پرانی کلاس فیلو مل گئی۔ پرجوش طریقے سے سلام دعا کے بعد ایک دوسرے کے ہاں آنے کی دعوت دی جانے لگی۔

"پرسوں ہماری ویڈنگ انیورسری ہے۔ کچھ پرانی دوستوں کو بھی مدعو کیا ہے جو لاہور میں آباد ہیں۔ تمہیں ضرور آنا ہے۔ اسی بہانے ماضی کی دوستوں سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔"

اپیا کی دوست صباحت نے بصد اصرار کہا تھا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" اپیا مسرت سے بولیں۔

"پرانے دوستوں سے ملاقات کا تصور بذاتِ خود بڑا خوش کن ہوتا ہے۔ میں اپنے شوہر کے ساتھ ضرور آؤں گی۔"

مگر جب شجی بھیا سے بات کی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

"میں نے سائٹ پر جانا ہے پرسوں اور تمہیں بھی جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر کبھی چلی جانا، ایسی بھی کیا قیامت آ رہی ہے۔"

اور اپیا دل مار کر رہ گئیں۔ شہر لالہ کو علم ہوا تو ایک بار پھر متعجب کھڑی رہ گئی۔ اس نے تو کالونی میں کہیں آنے جانے کے لیے رسماً بھی آغا کو مطلع کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔

"بھئی آپ کا اتنا دل چاہ رہا ہے۔ ایسے مواقع بار بار تو نہیں آتے شجی بھیا سے ضد کریں جانے کے لیے۔ وہ مصروف ہیں تو کم از کم آپ کو تو اجازت دے سکتے ہیں۔"

"چھوڑو۔" اپیا بے دلی سے بولیں۔

"اصرار کر کے ان کا موڈ کیوں خراب کروں۔ صباحت سے فون پر معذرت کر لوں گی۔"

اپیا کا سارا جوش و خروش ماند پڑ گیا تھا۔ شہر لالہ کو دلی تکلیف ہوئی۔

"پھر بھی آپ ان کے نام کی مالا جپتی ہیں؟" وہ جھلا کر ان پر برس پڑی۔

"کتنے بے حس ہیں شجی بھیا، آپ کی خوشی اور جذبات کا کچھ احساس نہیں۔" وہ طیش سے بولی۔

"میں ان کی مرضی اور خوشی کی پابند ہوں۔ وہ نہیں چاہتے تو میں ان کی رضا کے خلاف قدم کیسے اٹھا سکتی ہوں۔" اپیا اداسی سے بولیں۔

"اونہہ۔" شہر لالہ نے کوفت سے سر جھٹکا۔

"آپ خوامخواہ ان کی خود پسندی کو شہہ دے رہی ہیں، دھڑلے سے کہہ دیں کہ مجھے ہر صورت جانا ہے۔"

"اس طرح گھر نہیں چلا کرتے گڑیا!"

اپیا نے اس کے گال چھو کر نرمی سے کہا۔

"عورت کو اپنا گھر بسانے، بنانے اور چلانے کے لیے بہت کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔ اپنی بے جا انا، خود پرستی، ضد اور شوق کو لگام دینا پڑتی ہے۔"

"اور جواب میں اسے کیا حاصل ہوتا ہے؟" وہ زہر خند ہوئی۔

"اسے رہنے کو ایک چار دیواری، مضبوط چھت، ایک سائباں مل جاتا ہے شوہر کے روپ میں۔" اب وہ مطمئن نظر آ رہی تھیں۔ "یہی گھر تو عورت کی آخری پناہ گاہ ہوتا ہے۔" وہ اسے سمجھا رہی تھیں۔ "عورت کو مصلحت سے کام لے کر جھک کر عاجزی سے، بے غرضی سے معاملہ سلجھا کر اپنی جڑیں مرد کے گھر اور دل میں مضبوط کرنا پڑتی ہیں، ورنہ تو دو دنوں میں سارے گھر کا شیرازہ بکھر کر رہ جائے۔ اگر ایک حاکم ہو تو اس

کے ساتھ گزارا کرنے کے لیے دوسرے شخص کو لا محالہ محکوم بننا پڑتا ہے وگرنہ گھر نہیں بنتے۔"

"کیا شجی بھیا کو آپ سے محبت نہیں ہے؟ میرا تو خیال تھا وہ آپ کو بہت چاہت سے بیاہ کر لائے ہیں۔" وہ الجھ کر پوچھ رہی تھی۔

"اس میں کیا شک ہے، وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں، دلی رضامندی سے اپنایا ہے۔" وہ فخریہ بولیں۔

"مگر یہ کیسی محبت ہے، اتنی اجارہ داری، تسلط حاکمیت اور رعب۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

"یہ بھی محبت کے انداز ہوا کرتے ہیں۔ اب تمہارا کیا خیال ہے مجنوں یا رانجھے کی طرح دن رات میرے نام کی تسبیح پڑھتے رہیں یا رومانوی ڈائیلاگ جھاڑا کریں۔ مرد کی محبت اسی طرح کی ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ کی طلب کرنا بے وقوفی ہے۔ مرد، عورت کے آرام و آسائش کا خیال رکھے اور اس کا ہو کر رہے بس یہی بہت کافی ہے۔ رہا رعب، غصہ اور حاکمیت تو مشرقی مرد میں یہ اوصاف تو شروع سے موجود رہے ہیں۔ ان سے کیا الجھنا۔ اب ہر کوئی آغا ہارون کی طرح دیوانہ اور عاشق زار نہیں ہوا کرتا کہ بیوی کی ہر بد تمیزی اور بدلحاظی برداشت کر جائے۔

تم عقل سے سوچو تو اندازہ ہو گا کہ تم دنیا کی خوش قسمت ترین عورتوں میں سے ایک ہو۔ تمہاری اک نگاہ کرم کے لیے وہ اپنی پلکیں بچھائے منتظر رہتا ہے۔ تمہاری من مانیاں برداشت کرتا ہے۔ تمہاری تمام تر بے اعتنائی کے باوجود تمہیں تمہارے حال پر چھوڑے ہوئے ہے۔ اپنا کوئی حق تمہاری رضا کے بغیر استعمال نہیں کر رہا۔

بے وقوف لڑکی! اب بھی ہوش کے ناخن لے لو۔ شہزادیوں کی طرح گھر میں بسا رکھا ہے آغا نے تمہیں، اس کی قدر کرو اور فضول کی ضد چھوڑ کر اپنا آپ اس کے نام کر دو وگرنہ سے گزر گیا تو بری طرح پچھتاؤ گی۔"

واقعی اپیا صحیح کہہ رہی تھیں اور کتنا اس کا کردار اور نفس آزمانا مقصود تھا، اتنی مدت بیت گئی تھی۔ اگر اس کے کردار میں کوئی جھول ہوتا تو اب تک سامنے آ جاتا۔

اس کے برعکس اس کی نرم خوئی، مصلحت پسندی اور اپنے کام سے لگن نے اس کی شخصیت کے مثبت پہلو ہی اجاگر کیے تھے۔

وہ کس درجہ اس پر مہربان تھا۔ اپنی طبیعت کے برعکس محض اس کی خوشنودی کے لیے خود پر جبر کرتا تھا۔

وہ بد تمیزی کرتی تو در گزر کر جاتا۔

رکھائی کا مظاہرہ کرتی تو صرف نظر کر دیتا۔

اکتاہٹ دکھاتی تو اس کی خوشی کے لیے، دل بہلانے کے لیے گھمانے لے جاتا۔

کبھی اپنے ذاتی کام کے لیے اس کو آواز نہ دی تھی۔ گھریلو امور کے سلسلے میں کبھی اس کی باز پرس نہیں کی حالانکہ وہ گھر کی مالکن تھی، ذمہ دار تھی۔ مگر اس نے از خود اس پر کسی ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالا تھا۔

اپیا کی ازدواجی زندگی کے معاملات سے موازنہ کیا جاتا تو وہ ایک لحاظ سے آغا پیلس میں ٹھاٹھ سے زندگی گزار رہی تھی۔ ہر قسم کی الجھن، پریشانی، ذمہ داری اور جواب طلبی سے آزاد رہ کر۔

وہ پوری رات اپنا احتساب کرتی رہی۔

☆ ☆ ☆

دس دن مکمل ہو چکے تھے اس کے قیام کو۔ آغا تقریباً" روز ہی فون پر اس کی خیریت دریافت کرتا تھا۔ رات کو ہی فون پر اس نے بتایا تھا۔

"میں کل صبح کی فلائٹ سے آ رہا ہوں تمہیں لینے۔ شام کی فلائٹ سے ہم واپس آ جائیں گے۔"

اور صبح پوری تیاریوں سمیت وہ اپیا کے روبرو کھڑی تھی۔

شجی بھیا، آغا کو ایئرپورٹ ریسیو کرنے کی غرض سے جا چکے تھے اور کسی لمحے میں بس آنے والے تھے۔

"اپیا! مجھے اب اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔" وہ

سر جھکا کے بولی۔

دراصل میرے ذہن میں شروع سے یہ تاثر رہا تھا کہ امیر کبیر، جاگیردار وڈیرے، نواب اور رئیس قسم کے لوگ ہر قسم کے اخلاقیات سے عاری ہوتے ہیں۔ عیاش طبع، بے حس، خود غرض اور مغرور۔ عام لوگوں کو اپنی رعایا خیال کرتے ہیں اور ان کا کوئی کردار نہیں ہوتا اور میں انجانے میں آغا کو بھی اسی ٹائپ کا بندہ سمجھ بیٹھی تھی۔ اس لیے شروع سے اس سے متنفر اور گریزاں رہی تھی۔

کچھ اس کے رویے کی سختی، رعب اور حاکمیت پسندی کو میں اس کی شخصیت کا حصہ سمجھ کر مزید اس سے کترانے لگی تھی۔ ایسے میں اس کے پروپوزل نے میرے تن بدن میں آگ لگا دی۔ میرا خیال تھا وہ محض مجھے نیچا دکھانے کے لیے اتنی عام سی شکل و صورت والی لڑکی کی طرف بڑھا ہے۔ بس اس طرح کی غلط فہمیوں نے مجھے اس تک پہنچنے سے روکے رکھا۔

بہرحال گزرتے وقت نے میرے خدشات دھو ڈالے ہیں اور اب مجھ پر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ ضروری نہیں ہے کہ ہر امیر آدمی بدکردار اور نفس پرست ہو۔ آخر وہ لوگ بھی تو انسان ہوتے ہیں کوئی درندہ صفت خون آشام بھیڑیے تو نہیں ہوتے جو ہم ان کے بارے میں بدگمان رہتے ہیں۔

اچھے برے لوگ تو ہر طبقے میں موجود ہوتے ہیں پھر بدنیتی اور عیاشی کا الزام محض روسا اور امراء پر ہی کیوں عاید کیا جائے۔ ان میں بھی تو نیک طبیعت کے انسان دوست اور مخیر لوگ موجود ہوتے ہیں۔"

"صد شکر کہ تمہیں عقل آ گئی ورنہ میں تو مایوس ہو چلی تھی تمہارے طور طریقوں سے۔"

اپیا نے مسکراتے ہوئے اسے گلے لگا لیا۔ پھر گڑیا کے رونے کی آواز سن کر اندر لپکیں۔ اسی لمحے کھٹکے کی آواز پر شہر لالہ نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ اور جیسے اس کی روح فنا ہو گئی۔

آغا کے چہرے پر شعلوں کی لپک تھی اور آنکھوں سے غضب کی چنگاریاں سی برس رہی تھیں۔

"بہت خوب۔" بالآخر وہ پھنکارتے ہوئے بولا۔

"تو یہ تھی تمہارے گریز کی وجہ۔ بھلا کب تم نے مجھے کسی برے فعل میں یا ایسی ویسی خواتین سے چہلیں کرتے دیکھا تھا؟ یا کسی غریب سے وحشیانہ سلوک کرتے دکھائی دیا تھا تمہیں۔ کیا میرے روم فریج میں "بوتلوں" کی قطاریں سجی ہوئی دیکھی تھیں۔ یا میری خوابگاہ سے کسی حسینہ کو برآمد ہوتے دیکھا تھا؟ بولو جواب دو نا۔"

آغا کی رگ رگ میں انگارے دوڑ رہے تھے اور اس کی شعلہ فشاں نظریں شہر لالہ کو بھسم کر دینے کے درپے تھیں۔ ضبط سے وہ مٹھیاں بھینچے نچلا ہونٹ دانتوں سے کچل رہا تھا۔

وہ اس درجہ غضب ناک اور مائل بہ وحشت تو کبھی نظر نہیں آیا تھا۔ شہر لالہ کا چہرہ سفید پڑ گیا اور آنکھیں خوف سے پھیلنے لگی تھیں۔

"مجھ جیسے بدکردار، بدچلن اور اخلاقیات سے عاری رئیس کے پاس تم جیسی پارسا اور مقدس و محترم ہستی کا کیا کام، اوکے تم بخوشی یہاں رہو، ہمیشہ کے لیے۔ اب مجھے تمہارے پلٹ کر آنے کا قطعی انتظار نہیں رہا میری طرف سے تم آزاد ہو۔"

یہ کہہ کر وہ آندھی طوفان کی طرح الٹے قدموں واپس چلا گیا تھا۔ اور شہر لالہ کا تو وہی حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

"کیا ہو گیا۔ آغا اتنے غصے میں کیوں تھے؟"

شجی بھیا وحشت زدہ سے بھاگے چلے آئے تھے۔

"میں نے روک کر پوچھنا چاہا تو انہوں نے درشتی سے مجھے ایک طرف ہٹا دیا اور گیٹ سے باہر نکل گئے۔"

"وہ... وہ ناراض ہو گئے ہیں مجھ سے، شجی بھیا!"

وہ بلک بلک کر رو دی۔ اپیا بھی حواس باختہ سی دوڑی آئی تھیں۔ صورت حال واضح ہوئی تو سر پکڑ کر رہ گئیں۔

"آپ مجھے واپس بھجوا دیجیے شجی بھیا! میں ابھی اور اسی وقت کالونی واپس جانا چاہتی ہوں۔"

"اس وقت کس طرح بھجوا دوں تمہیں، شام کی فلائٹ سے چلی جانا۔"

شجی بھیا پریشانی کے عالم میں کہہ رہے تھے۔

"تمہارا اس وقت جانا مناسب نہیں، آغا بہت غضبناک موڈ میں واپس لوٹے ہیں۔ فوری طور پر تمہیں سامنے دیکھا تو خدانخواستہ معاملہ سنگین ہو سکتا ہے۔ ٹھہر کر جانا ہی بہتر ہو گا۔ تب تک ان کا غصہ بھی کچھ سرد پڑ جائے گا۔" اپیا نے اسے صلاح دی تھی۔

سوئے اتفاق شام کی فلائٹ نہ مل سکی اور اس نے وہ پوری رات کانٹوں پر بسر کی تھی۔ دوسری صبح منہ اندھیرے وہ تیار ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ شجی بھیا نے صبح آٹھ بجے کی فلائٹ سے اسے بھجوا دیا۔ شہر آ کر ٹیکسی کے ذریعے وہ کالونی پہنچی۔

"شریف! تمہارے صاحب کہاں ہیں اس وقت؟"

اس نے آغا پیلس پہنچتے ہی سب سے پہلے شریف الدین کو طلب کیا تھا۔

"وہ جی، میں خود بھی لاعلم ہوں۔" شریف خاصا بوکھلایا ہوا تھا۔

"کل شام سے گھر نہیں آئے، ساری رات میں انتظار کرتا رہا۔ آج صبح چھ بجے کے قریب فون کر کے گھر کے حالات پوچھے تھے۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ کہاں ہیں بس اتنا کہا کہ رات کو دیر سے لوٹوں گا۔"

"اوہ۔"

تفصیل سن کر وہ بے قرار سی ہو گئی تھی۔ بہرحال اتنی تسلی تو ہو گئی تھی کہ رات کو لوٹ آئیں گے۔

نہا دھو کر تازہ دم ہو کر پہلی بار پورے آغا پیلس میں اوپر نیچے پھر کر اچھی طرح جائزہ لیا۔ صفائی ستھرائی اور دیگر انتظامی امور دیکھے۔ ملازمین کو کچھ ترامیم کے لیے ہدایات دیں۔

شام کو کچن میں گھس گئی۔ دو تین ڈشز شریف سے پوچھ کر صاحب کی پسند کی بنائیں، پھر نئے سرے سے خود کو سجایا سنوارا۔

سرخ جھلملاتے نفیس سے سوٹ میں یاقوت کا جڑاؤ سیٹ اور ہلکا میک اپ کیے اس کی چھب ہی نرالی ہو گئی تھی۔ باغ سے بیلے کی کلیاں توڑ کر بالوں میں گجرے بھی سجا لیے تھے۔

اب وہ جی جان سے روٹھے سیاں کے انتظار میں ٹہل رہی تھی۔ شریف کو اس نے اپنے کوارٹر میں جانے کا کہہ دیا تھا۔

"میں خود ہی کھانے کے لیے پوچھ لوں گی صاحب کو۔"

اس نے خود بھی ابھی کھانا نہیں کھایا تھا۔

وہ کتنی ہی دیر لان میں چہل قدمی کرتی خود کو آنے والے وقت کے لیے تیار کرتی رہی۔ آغا کی سابقہ شوخیاں یاد آ رہی تھیں۔ وہ ایک لمحہ جب اسے اپنی کمزوری کا احساس ہوا تھا۔ جب جسم و جاں میں پر حدت سنسنی سی پھیلتی چلی گئی تھی۔

"سنو۔" اس نے کس طرح جان کھینچ لینے والے انداز میں پکارا تھا کہ وہ پگھل پگھل گئی تھی۔

"مان جاؤ نا۔" وہ خوابیدہ ارمان جگاتا دھیما مخمور سرگوشیانہ انداز۔

وہ سوچ سوچ کر نئے سرے سے محجوب ہوئی جا رہی تھی۔

"شاید یہی محبت ہے، بے اختیار کر دینے والی، بے بس کر ڈالنے والی اپنے جادو اثر حصار میں لے کر کل عالم سے بیگانہ کرنے والی۔"

واقعی محبت اچانک ہی منکشف ہوتی ہے اور قلب و روح کو اپنے طلسم میں جکڑ لیتی ہے۔ خبر ہی نہیں ہونے پاتی یہ لمحہ کب آن کر بیت جاتا ہے۔ محبت چھپ کے دل پر وار کرتی ہے۔

تقریباً" ساڑھے بارہ بجے خدا خدا کر کے اس کی جیپ آغا پیلس داخل ہوئی تھی۔

فوری طور پر سامنے نہیں جانا چاہیے۔ کیا خبر غضب سے بپھر کر کچھ کر بیٹھیں۔ وہ یہی سوچ کر کچن میں چلی گئی اور کھانا گرم کرنے لگی۔ پھر ٹرالی میں سجا کر

دانستہ وہیں موجود رہی تاکہ وہ جب تک چینج کر کے فریش ہو جائے۔

"کھانا لے آؤ شریف۔"

کچن میں انٹرکام سے اس کی تھکی ہوئی سپاٹ آواز ابھری تھی۔ آغا کے خیال کے مطابق شریف کو ہی کچن میں ہونا چاہیے تھا۔ وہ اچھل پڑی' ایک بجنے کو تھا۔

دھڑکتے دل سے ٹرالی دھکیلتی اس کے کمرے کے آگے رکی تو قدم من من بھر کے ہونے لگے۔

"کیسے اندر جاؤں؟"

بالآخر وہ ہمت کر کے دروازہ دھکیلتی اندر چلی آئی۔ وہ حسب توقع بستر پر نیم دراز تھا۔ اسے دیکھ کر اس کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں اور آنکھوں میں غصے کی سرخی جھلکنے لگی۔

"تم سے کس نے کہا تھا یہاں آنے کو' بلکہ اس گھر میں داخل ہونے کو۔"

وہ ایک دم برس پڑا تھا۔

"اپنے گھر آنے کی کون اجازت مانگتا ہے؟"

اگرچہ وہ خود کو بہادر ظاہر کر رہی تھی مگر دل اندر سے سوکھے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ آغا اس وقت اتنا بے رحم نظر آ رہا تھا کہ فی الواقع شہر لالہ کے چھکے چھوٹنے لگے تھے۔

"اپنے گھر؟" اس نے استہزائیہ کہا۔

"یہ ڈرامے بازی کسی اور کے ساتھ کرنا۔ فوراً سے پیشتر میرے کمرے سے نکل جاؤ اور صبح آغا پیلس سے بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جانا۔ اب یہاں تمہاری کوئی جگہ نہیں ہے۔"

اس کا کٹھور لہجہ بلا کا سفاک اور سرد تھا۔ شہر لالہ کی ریڑھ کی ہڈی تک خوف سرایت کرنے لگا۔

"تو کیا ہوا۔ آپ کے دل میں تو جگہ ہے نا میرے لیے۔ وہیں بسیرا کرنے کی اجازت مرحمت فرما دیں۔"

تخت یا تختہ کے مصداق وہ جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بعجلت کہہ گئی۔ آغا نے کڑے تیور لیے اسے گھور کر دیکھا۔

شہر لالہ کے چہرے پر' سراپے کی آرائش و زیبائش اور رویے میں سراپا آمادگی اور سپردگی ثبت تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے بے وقوف بنانے کی۔" وہ برہمی سے رخ موڑ کر گویا ہوا۔ "تم جا سکتی ہو اب؟"

"آپ کھانا تو کھا لیجیے۔ میں نے بھی آپ کے انتظار میں ابھی تک نہیں کھایا۔" وہ اس کا دھیان بٹانے کو جلدی سے بولی۔

آغا نے جواب نہیں دیا۔ نیم دراز ہو کر آنکھوں پر بازو رکھ کر گویا لاتعلقی کا اظہار کر رہا تھا۔

وہ حوصلے جمع کرتی ہوئی بیڈ کے قریب آ گئی۔ اس کے سرہانے آ کر آہستگی سے جھک کر جھجکتے ہوئے اس کے سیاہ بالوں والے توانا سپید بازو پر ہاتھ رکھ کر ہٹانے کی کوشش کی۔

آغا کو جیسے کرنٹ چھو گیا تھا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ۔" وہ خفگی سے بازو چھڑانے لگا۔ لہجے کی تندی اور بے رحمی میں کچھ کمی آ گئی تھی۔ شہر لالہ کو کچھ تسلی ہوئی۔

اس نے دوبارہ اس کا آہنی ہاتھ تھام کر جیسے اٹھانے کی سعی کی۔

"پلیز بس کریں نا' اب اٹھ جائیں۔ کھانا کھا لیں۔"

"تمہیں ہی نہ کھا جاؤں میں۔"

آغا نے وحشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک جھٹکے سے اسے کھینچا۔ وہ چونکہ اس کے لیے تیار نہیں تھی' لہٰذا اپنی جھونک میں اس پر آ رہی۔ دوسرے لمحے وہ سنبھل کر بیٹھی تو آغا نے اس کی دونوں کلائیاں موڑتے ہوئے مجرموں کی طرح پشت کی جانب لے جانے کی کوشش کی۔ وہ درد سے چیخ اٹھی۔

"اف اللہ چھوڑیں نا۔" تکلیف کی شدت سے اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے مگر وہ ہنوز خود کو مضبوط اور بشاش ظاہر کر رہی تھی۔

"میں تو بدکردار اور عیاش رئیس ہوں۔ کیوں آئی

ہو ایسے شخص کے بیڈروم میں۔"

آغا کی عزتِ نفس پر زبردست طریقے سے چوٹ پڑی تھی۔ اسے اپنی تذلیل بھلائے نہیں بھول رہی تھی۔ جی چاہ رہا تھا ساری دنیا تہ و بالا کر دے۔

"بولو نا۔" اب اس نے شہر لالہ کے بال مٹھیوں میں جکڑ لیے تھے۔

"اف۔۔۔ ہارون! آپ تو جان نکالنے کے درپے ہو گئے ہیں۔"

رخساروں پر بہتے آنسوؤں کے قطرے پوروں سے صاف کرتی ہوئی وہ زبردستی ہنس کر بولی۔

ہارون آغا کے بھڑکتے ہوئے تپتے پر جیسے نرم نرم پھوار پڑنے لگی۔ زندگی میں پہلی بار شہر لالہ نے اس درجہ اپنائیت و یگانگت کے ساتھ اس کا نام لے کر پکارا تھا۔ ہارون تو اسے اس کے ملنے والے بھی نہیں کہتے تھے۔ آغا صاحب ہی زبان زدِ عام ہو گیا تھا۔

آغا کی اس کے بالوں پر گرفت نرم پڑنے لگی۔ خود بخود اس کا شعلہ سامان موڈ سرد پڑنے لگا تھا۔

یہ کس نے پکارا ہے عدم اُنی چاہ سے
احساسِ برتری سے خدا ہو گیا ہوں میں

آغا کو بے ساختہ شعر یاد آ گیا تھا۔

"میری طرف سے اپنا دل صاف کر لیں ہارون!"

ہمیشہ وہ ہی آگے بڑھا تھا۔ اس نے پیش قدمی کی تھی۔ اب شہر لالہ کی باری تھی اور پھر محبوب کے در پر جھکنے میں کیا حجاب' وہ اس کا شوہر تھا۔ اس کا مجازی خدا تھا۔ اس کا ہار سنگھار' اس کا چھچھاتا سراپا اب کچھ اسی کا تو تھا۔

آغا کو اچانک ہی احساس ہوا تھا اس قربت کا' وہ خود چل کر اس تک آئی تھی۔ پوری سپردگی سے خود کو پیش کر رہی تھی۔ اس لمحے کا تو اس نے اک عمر انتظار کیا تھا۔

"کھانا کھا لیں نا۔ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

وہ اس کی نگاہ سے امنڈتی جنوں خیزی سے گھبرا کر جلدی سے بول پڑی۔

"تمہیں نہ کھاؤں پہلے۔ کتنا ستاتی ہے لڑکی تم نے۔"

اس سے پہلے کہ وہ اس کے گستاخ ارادوں کا پتا دیتے شوخ تیوروں سے بوکھلا کر پرے سرکتی آغا نے ایک جھٹکے سے گھسیٹ کر قریب کر لیا اور اس پر جھک کر اس کی ناک کھینچتے ہوئے شریر سے انداز میں گویا ہوا۔

اس کا مارے شرم کے برا حال ہو رہا تھا۔

"سارے بدلے لوں گا تم سے گن گن کر۔" آغا کے انگ انگ سے سرور چھلک رہا تھا۔

رضیہ جمیل کے شاہکار افسانے
بدریا برس گئی اُس پار
شائع ہو گیا ہے
خوبصورت گیٹ اَپ
بہنوں کے لیے خوبصورت تحفہ

اس کے علاوہ "2" مکمل ناولوں کے نئے ایڈیشن شائع ہو گئے ہیں
اک گھروندہ برف کا: /
ساگر دریا بادل بوند: /
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37-اردو بازار۔ کراچی